مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶ | شوال ۱۴۳۶ھ | اگست ۲۰۱۵ء | شمارہ ۸

مظاہر الاحوال

کیفیت حال کا ظہور

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۲۰ روپے

زرسالانہ =/۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرّف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳

۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

(مظاہر الاحوال)

(کیفیت حال کا ظہور)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	علم کا مقصود اصلی عمل ہے	۹
۲	علم و عمل کے علاوہ تیسری چیز	۱۰
۳	تیسری چیز کی اہمیت	۱۱
۴	ہم میں موجود خرابیوں کی وجہ	۱۲
۵	وہ تیسری چیز حال ہے	۱۳
۶	حال کا فائدہ	۱۳
۷	ضروری اشیاء	۱۴
۸	حال اور مقام کی تحقیق	۱۴
۹	محبت کا کرشمہ	۱۵
۱۰	ضابطہ کا تعلق ادائیگی حقوق کے لئے کافی نہیں	۱۶
۱۱	محبت کا فائدہ	۱۶
۱۲	حقیقت وجدانیات	۱۷
۱۳	حال کی حقیقت	۱۸
۱۴	مدار محبت	۱۸
۱۵	محبوب مجازی کا حال	۱۹
۱۶	محبوب حقیقی کا حال	۱۹
۱۷	ہماری پکار کا جواب	۲۱
۱۸	قبولیت اعمال کی دلیل	۲۲

۱۹	حکایت	۲۲
۲۰	کان سے سننا اور ہے، دل سے سننا اور	۲۴
۲۱	حق تعالیٰ کی عنایات	۲۵
۲۲	حق تعالیٰ سے تعلق	۲۵
۲۳	طلب کا فائدہ	۲۶
۲۴	مجاہدہ کا فائدہ	۲۷
۲۴	طلب صادق اور غیر صادق میں فرق	۲۷
۲۵	طلب اور تمنا میں فرق	۲۸
۲۶	بغیر مجاہدہ وعمل رونے کی مثال	۲۸
۲۷	اشکال وجواب	۲۹
۲۸	چند روزہ مشقت	۲۹
۲۹	حقیقتِ جان	۲۹
۳۰	طالب بنو اور کسی کا دامن پکڑو	۳۱
۳۱	احدیوں کی حکایت	۳۱
۳۲	ہمارا حال	۳۲
۳۳	خالی تمنا سے کچھ نہیں ہوتا	۳۳
۳۴	ہمارا کام	۳۳
۳۵	جاہل پیروں کا حال	۳۵
۳۶	معتزلہ کا رد	۳۶
۳۷	اعمال کے خواص	۳۶
۳۸	حال کی تعریف	۳۷
۳۹	ہمارے اعمال کا حال	۳۷

۴۰	حبشی کا حال	۳۸
۴۱	حکایت	۳۹
۴۲	ہماری مثال	۳۹
۴۳	ہماری خوش فہمی کی وجہ اوراس کی مثال	۴۰
۴۴	ہمارے حسب حال ایک حکایت	۴۰
۴۵	ہماری بدحالی	۴۱
۴۶	علماء کو نصیحت	۴۲
۴۷	امراء سے چندہ مانگنے سے احتراز	۴۳
۴۸	فی زمانہ چندہ مانگنے کا نقصان	۴۴
۴۹	چندہ دیکر دعا کی درخواست نہ کرو	۴۵
۵۰	چندہ دھندہ شکریہ ادا کریں	۴۶
۵۱	علماء کا کام دعا کرنا ہے	۴۶
۵۲	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط	۴۷
۵۳	اخلاص کی کمی	۴۸
۵۴	اہل علم کو مشورہ	۴۸
۵۵	اہل اللہ کا حال	۴۹
۵۶	عاشق حقیقی کا حال	۵۰
۵۷	تفسیر آیت	۵۱
۵۸	اقسام علم وجہل	۵۳
۵۹	ارتکاب گناہ کے احوال	۵۵
۶۰	حال کا فائدہ ترک گناہ پر دوام	۵۵
۶۱	حدیث کے معنی	۵۶

۶۲	کمال ایمان کا ذریعہ حال ہے	۵۶
۶۳	حال کا مطلب ہے اعمال شرعیہ اعمال طبعیہ بن جائیں	۵۸
۶۴	ہرقل کا مکالمہ	۵۸
۶۵	حال کا کمال	۵۹
۶۶	حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا کمال علم و معرفت	۵۹
۶۷	مقام عارف	۶۰
۶۸	بزرگوں کو تنبیہ	۶۱
۶۹	لذت خطاب کا مزہ	۶۲
۷۰	اہل اللہ کا عیش و سکون اور بادشاہت	۶۴
۷۱	بزرگی کی پہچان	۶۵
۷۲	وصول الی اللہ حاصل کرنے کا طریقہ	۶۶
۷۳	تحصیل حال کا طریقہ	۶۷
۷۴	صحبت اہل اللہ کی اہمیت	۶۸
۷۵	آدابِ شیخ	۶۹
۷۶	بزرگوں کے احوال	۷۱
۷۷	خدمت کا بے ہودہ انداز	۷۲
۷۸	موانع حال	۷۲
۷۹	تیسرا کام اپنا محاسبہ	۷۳
۸۰	وصول الی اللہ کے طریق کا خلاصہ	۷۳
۸۱	خلاصہ وعظ	۷۳

وعظ

(مظاہر الاحوال)

(کیفیت حال کا ظہور)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست تھے اور اکثر جامعہ کے سالانہ جلسوں میں بیان کے لئے تشریف لے جاتے رہتے تھے جہاں آپ نے متعدد مرتبہ فضائل علوم دینیہ، ان کی ترغیب اور ضرورت پر بیان فرمایا۔ وعظ ''مظاہر الاحوال'' کے بیان سے ایک سال قبل عمل کی فضیلت پر ایک وعظ ارشاد فرمایا تھا جس کا نام ''مظاہر الاعمال'' رکھا تھا۔ علم وعمل کا بیان چونکہ ہو چکا تھا اس لئے ضرورت محسوس کی کہ حال کا بیان کیا جائے۔ حال اس کیفیت کا نام ہے کہ جو دل میں مضبوطی کے ساتھ جم جائے جس کی بنا پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ علماء کو خطاب فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا ''علم تو آپ لوگوں نے حاصل کرلیا اور عمل بھی کم وبیش بفضلہٖ تعالیٰ کرتے ہو اب اس کی کوشش کرو کہ تمہارے اندر ایسا ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے کہ جس سے اعمال شرعیہ تمہاری طبیعت ثانیہ بن جائیں''

حاضرین میں طلباء وعلماء کے مجمع کے علاوہ عوام بھی بکثرت موجود تھے، زیادہ تر علمی مضامین بیان کئے گئے جن کو مثنوی کے اشعار سے مزین کیا۔ آخر وعظ میں وصول الی اللہ کا مختصر طریقہ بھی بیان کیا۔ بہت عمدہ وعظ ہے عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۷ رجب ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا﴾(۱)

علم کا مقصود اصلی عمل ہے

ہر چند کہ خصوصیت وقت کا مقتضٰی یہ تھا کہ اس جلسہ میں علوم دینیہ کے فضائل اور ترغیب اور اس کی ضرورت بیان کئے جاویں جیسا کہ بارہا اکثر جلسوں میں اس کے متعلق بیان ہوا ہے لیکن پارسال (۲) یہ بات ذہن میں آئی تھی کہ علم کا اصلی مقصود عمل ہے اس کو بیان کرنا چاہیئے لیکن اس سال ایسا اتفاق ہوا کہ بوجہ اعذاء عارضہ حاضری سے (۳) قاصر رہا لیکن دل میں یہ بات کھٹکتی رہی کہ کوئی موقع ہو تو اس مضمون کو بیان کروں جلسۂ عامہ نہ ہو تو جلسہ خاصہ ہی میں یہ مضمون بیان ہو جاوے اس کے ساتھ ہی ایک بار یہ ہوا کہ اس مدرسہ کے طلبہ نے اپنی محبت سے

(۱) سورۃ النساء:۱۷ (۲) پچھلے سال (۳) کچھ ایسے عذر پیش آئے کہ حاضر نہ ہوسکا۔

مجھ کو بلایا اور وعظ سننے کا شوق ظاہر کیا، یہ ان کی سعادت مندی ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر یہ بار اٹھایا جس کی مجھ کو بہت مسرت ہے چنانچہ میں حاضر ہوا اور میں نے عمل کے متعلق مختصر سا بیان کیا اور اس جلسہ کا بیشتر حصہ طلبہ ہی تھے۔ بیان بھی وہ ایسا تھا کہ اس کے لئے جلسہ عامہ کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ ضرورت عمل کی ہر چند کہ سب حضرات کو ہے، اور سب اس کو ضروری جانتے ہیں مگر طلبہ کے لئے جس درجہ کی ضرورت ہے حق یہ ہے کہ ان میں اکثر اس کو اس درجہ میں ضروری نہیں سمجھتے اس درجہ سے بہت کمی ہے چونکہ روئے سخن جماعت خاصہ کی طرف تھا اس سے، اس بیان کے لئے جلسۂ خاصہ ہی کی ضرورت تھی الحمد للہ وہ مضمون ادا ہوگیا اور میری خواہش پوری ہوگئی اور اس تقریر کا لقب مظاہر الاعمال رکھا گیا۔ بس اس وقت تک کے جلسوں میں دو چیزیں نہایت ضروری یعنی اول علم دوسرے عمل نہایت کافی طور سے بیان ہوچکیں۔

علم وعمل کے علاوہ تیسری چیز

اس کے بعد ایک تیسری چیز کی ضرورت خیال میں آئی جو ضرورت میں پہلی دو چیزوں سے کم نہیں اس لئے کہ ان دونوں کا نفع اس تیسری شئے پر موقوف ہے (۱) اگرچہ حصول انکا اس ثالث پر موقوف نہیں لیکن یہ تیسری شے ان دونوں سے انتفاع کی موقوف علیہ ضروری ہے، بحمد اللہ اس کے بیان کا موقع آج ملا ہے پس آج میں علم وعمل کی ضرورت کو بیان نہ کروں گا اس لئے کہ ان کا بیان ہو چکا آج ایسی شے بیان کروں گا کہ اکثر لوگ اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور اس کی جس درجہ ضرورت ہے اس سے عوام تو کیا بعض خواص بھی ناآشنا ہیں۔ الحمد للہ کہ جلسہ عامہ

(۱) ان دونوں باتوں سے نفع اٹھانا اس تیسری بات کے حاصل ہونے پر مبنی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ نے اس کے بیان کا موقع میسر فرمایا یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں سے اس تیسری (۱) کا استنباط ہوسکتا ہے، بلکہ اگر غور کیا جاوے تو اس آیت کو اس شے میں صریح دلالت ہے چنانچہ مفصل تقریر استدلال کی آگے بیان کی جاوے گی میری تقریر سن کر سامعین کو تعجب ہوا ہوگا کہ علم وعمل کے سوا تیسری چیز کیا ہے اس لئے کہ تمام پند ونصیحت کا خلاصہ اور جان، علم وعمل ہے اس کے سوا تیسری شے کیا ہوگی۔ اور بعض کو سن کر فکر بھی ہوا ہو کہ علم وعمل ہی کا بار ہم سے نہ اُٹھ سکتا اب اس تیسری شے کی اور مصیبت آئی یہ وہی مثل ہوئی بلائے تھے دو آبیٹھے تین۔ صاحبو! آپ اپنے اوپر گرانی نہ لیجئے وہ تیسری شے ایسی ہے کہ دو پہلی چیزوں کی جو آپ کو گرانی ہے وہ اس کو بھی اٹھا دیگی ان دونوں مہمانوں کا بار جو آپ پر تھا کہ دیکھئے یہ کس قدر کھا جاتے ہیں اس تیسرے مہمان کی خبر سنکر آپ زیادہ نہ گھبرائیے اس لئے کہ وہ تیسرا آکر ان دونوں کے بار کا متحمل (۲) ہوجائیگا اور آپ کو بالکل ہلکا کردیگا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کے یہاں دس مہمان آجائیں اور آپ کو ان کا کھانا کھلانا بھاری ہورہا ہے ایک گیارھواں مہمان آیا اور وہ اسقدر کھانا لایا کہ ان دس نے بھی کھالیا اور دس کا کھانا بچ بھی گیا تو ایسے مہمان کا آنا بہت مبارک ہے پس آپ کو یہ تیسری شے سے گرانی نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ تعجب ہونا چاہیئے آپ کو یہ تعجب اس لئے ہے کہ مضامین کے سمجھنے اور سننے اور اس تیسری شے سے انتفاع (۳) کی عادت نہیں رہی۔

تیسری چیز کی اہمیت

یاد رکھو وہ تیسری شے ایسی ہے وہ آپ کی تمام گرانیاں اور تمام مصیبتیں

(۱) تیسری چیز کا حکم معلوم ہوسکتا ہے (۲) وہ تیسرا مہمان ان دونوں کا وزن بھی اٹھالے گا (۳) تیسری چیز سے فائدہ اٹھانے کی عادت نہیں ہے۔

دفع کردے گی یہ بدگمانی نہ کرو کہ وہ تیسرا مہمان بہت سا کھا جاویگا۔ صاحبو! اس کو آپ اپنے یہاں جگہ دے دو وہ تم سے کھانا نہیں مانگتا صرف ٹھکانا مانگتا ہے ذرا جگہ دیدو پھر دیکھو وہ کیا کام کرتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ ہماری تمام مشقتیں جاتی رہیں اب تو آپ سن کر اور بھی حیران ہوئے ہونگے اور شوق کے ساتھ جستجو بھی ہوئی ہوگی کہ وہ کیا شے ہے۔ میں اول اس کا پتہ بیان کردوں کہ وہ مہمان کہاں رہتا ہے اور اس کا کیا حلیہ ہے وہ صدر نشین ہے (۱) یعنی آدمی کے دل میں رہتا ہے حاشیہ نشین نہیں ہے کہ ہاتھوں میں یا پاؤں میں رہتا ہو اس لئے کہ وہ شریف اور صدر ہے (۲) اس لئے صدر ہی پر رہنا چاہتا ہے اگر پچاس دفعہ تم کو غرض پڑے اس کو صدر میں بٹھلاؤ پھر دیکھو وہ کیا گل کھلاتا ہے۔ اگر اعتقاد سے اس کو نہیں بٹھلاتے امتحان ہی کے طور پر جگہ دیدو علی سبیل التنزل (۳) کہا جاتا ہے کہ وہ اگر نافع نہیں ہے تو مضر تو کسی طرح نہیں ہے جیسے بعض ہلکی دوائیں ہوتی ہیں اگر ان کو طبیب کی تقلید سے استعمال کیا جاوے تو وہ نفع کرتی ہیں، اور نفع نہیں تو ضرر تو کسی صورت میں نہ کریں گی۔ سو صاحبو آپ اس کو جگہ دیکر تو دیکھئے اگر نافع ثابت نہ ہوگا تو پھینک دیجئے نکال دیجئے میں آپ کو بدوں (۴) امتحان کیسے یقین دلاؤں۔

ہم میں موجود خرابیوں کی وجہ

اور میں تو بلا تردید کہتا ہوں کہ نافع ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کے اندر جو خرابیاں ہیں یہ تمام تر اُسی تیسری شے کے نہ ہونے سے ہیں عوام تو اس کے نہ ہونے کے سبب علم وعمل سے بے بہرہ ہیں اور علماء اس کے نہ ہونے سے

(۱) دل میں رہتا ہے (۲) اس کا مرتبہ صدر مملکت کا سا ہے (۳) کم از کم یہ بات تو ہے کہ وہ اگر نفع نہ دے تو نقصان بھی نہیں ہوتا (۴) بغیر امتحان کئے۔

اپنے علم سے منتفع نہیں (۱) ہیں اور خواص یعنی عاملین اس کے فقدان (۲) سے عمل کے کمال سے محروم ہیں۔ ہم لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں نیک صالح مشہور ہیں لیکن اپنے علم وعمل سے اسلئے کافی حصہ حاصل نہیں کر سکتے کہ اس تیسری شے کا اس میں میل نہیں ہے، اور اسکا میل نہ ہونے سے ہمارے علم وعمل کی وہ حالت ہے جو حدیثوں میں آیا ہے یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یعنی وہ لوگ قرآن پڑھینگے لیکن وہ قرآن ان کے گلے ہی میں رہے گا یعنی اس کی حقیقت مجرد صورت ہوگی گلے سے آگے نہ بڑھے گا یعنی اوپر نہ چڑھے گا قابل قبول نہیں یا نیچے نہ اترے گا، یعنی دل میں کچھ اثر نہ ہوگا۔ پس بغیر اس تیسری شے کے کس درجہ ضروری ہے۔

وہ تیسری چیز حال ہے

اب میں اس کا نام بتلائے دیتا ہوں وہ شے حال ہے مگر وہ عرسوں اور میلوں کا حال نہیں ہے کبھی آپ لوگ خوش ہوں کہ آج تو حال کی تعلیم ہوئی ہے پس حال کھیلنے کی اجازت ہوگئی تو یادرکھو وہ کوئی کھیلنے کی چیز نہیں ہے اور نہ وہ ہال ہاء ہوّز (۳) سے ہے یعنی ہلنا بھی نہیں ہے وہ حال بحاء حطی ہے اور تحویل بمعنی تبدیل سے ہے۔

حال کا فائدہ

یعنی وہ ایک حقیقت دوسری حقیقت سے بدل دیتا ہے وہ آپ کو تانبے سے سونا بلکہ اکسیر بنانے والا ہے یعنی کامل ومکمل بنانے والا۔ بات یہ ہے کہ اگر صرف تانبے کو سونا بنادے جو کہ کیمیا کا خاصہ ہے تو وہ تانبہ خود تو کامل بن گیا اور اس کی حقیقت بدل گئی لیکن وہ دوسرے تانبے کو تو سونا نہیں بنا سکتا چنانچہ تانبے کو سونے

(۱) فائدہ مند نہیں ہوتے (۲) نہ ہونے سے (۳) ''ہَوَّز'' میں جو ھاء ہے اس سے بھی نہیں بلکہ حاء ''حطی'' سے ہے۔

سے مس(۱) کرنے سے وہ سونا نہیں بن سکتا ہے۔ یہ خاصہ اکسیر ہی کا ہے کہ جس شے کے ساتھ اسکا تعلق ہوتا ہے اس کو سونا بنادیتا ہے تو حال وہ شے ہے کہ آپ کو اکسیر یعنی ایسا کامل کردیگا کہ آپ سے دوسروں کی تکمیل ہوسکے گی اور یہ مضمون کوئی رنگین نہیں ہے کہ کانوں کو خوش معلوم ہو بلکہ دل میں جگہ دینے کی چیز ہے۔

ضروری اشیاء

الحاصل تین چیزیں ضروری ہوئیں علم، عمل، حال اول دو کی ضرورت بارہا بیان ہوچکی اس وقت حال کی حقیقت اوراس کی ضرورت کا بیان ہے۔

حال اور مقام کی تحقیق

جاننا چاہیئے کہ میری مراد حال سے یہاں وہ حال مصطلح صوفیہ کا نہیں ہے کہ جس کو وہ مقام کے مقابلہ میں اطلاق(۲) کرتے ہیں وہ تو کیفیت غیر راسخہ کو حال اور راسخہ کو مقام(۳) کہتے ہیں۔ میری مراد حال سے مطلق وہ کیفیت ہے جو بالمعنی الاعم(۴) حال اور مقام دونوں کو شامل ہے حقیقت اس کی صرف اسقدر ہے کہ قلب میں کوئی بات غلبہ کے ساتھ پیدا ہوجاوے اس تقریر سے آپ کو روشناسی کے مرتبہ میں اجمالا اس تیسری شے کا علم ہوگیا ہوگا، لیکن بصیرت کے ساتھ اسکا ادراک نہیں ہوا(۵) اور ضرورت اس کی ہے کہ کما حقہ اس کا علم آپ کو ہو اس لئے کہ جس مبحث کا موضوع متعین نہ ہو اور علی وجہ الکمال اس کا علم نہ ہو تو اسکے متعلق جس قدر محمولات اور احکام ہیں وہ سب بیکار ہونگے۔ اور اوپر اوپر اُڑتے چلے جائیں گے۔ اور اس کی تفصیل بالکل بیکار ہوگی اس لئے موضوع مطلوب کی حقیقت اچھی طرح

---

(۱) چھونے سے (۲) بولا کرتے ہیں (۳) ان کے نزدیک جو کیفیت دل میں راسخ اور پختہ نہ ہو اس کو حال اور جو پختہ ہوجائے اس کو مقام کہتے ہیں (۴) عام معنی کے ساتھ جو حال اور مقام دونوں کو شامل ہو (۵) کچھ شناسائی ہوئی لیکن اصل حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔

سمجھ لینا چاہیئے۔ حقیقت تو اس کی یہی ہے کہ کوئی بات غلبہ کے ساتھ دل میں پیدا ہوجائے اگر وہ راسخ ہوجائے تو حال راسخ ہے جس کو صوفیہ مقام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر غیر راسخ ہے تو حال غیر راسخ ہے جس کو وہ حال بالمعنی الاخص کہتے ہیں۔

محبت کا کرشمہ

اب میں اس کو موٹی سی مثال سے واضح کرتا ہوں دیکھئے آپ اولاد کو پرورش کرتے ہیں اُن کے لئے کماتے ہیں مشقتیں اٹھاتے ہیں اولاد اگر بیمار ہو تو پہلے آپ بیمار ہوجاتے ہیں معالجہ کرتے ہیں ان کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دیتے ہیں، کبھی آپ نے اس میں بھی غور کیا ہے کہ یہ سب بار(۱) آپ کیوں اُٹھاتے ہیں، اسکا منشاء کیا ہے آیا اسکا منشا صرف اس قدر ہے کہ آپ نے علماء سے سنا ہے کہ ماں باپ کے ذمہ اولاد کا حق پرورش ہے کیا ان مشاق ومتاعب(۲) کے برداشت کے لئے اتنا ہی علم کافی ہے کہ ان کے حقوق ہمارے ذمہ ہیں، ہرگز نہیں اگر صرف اسی قدر ہوتا اور کوئی بات اس سے زائد تمہارے قلب میں نہ ہوتی تو تم سے یہ حقوق ہرگز ادا نہ ہوتے۔ اور اگر ہوتے بھی تو قلب پر بے انتہاء مشقت ہوتی یقینی بات ہے کہ وہ چیز جو تم سے یہ بار اٹھوا رہی ہے وہ کوئی دوسری شے ہے وہ کیا چیز ہے؟ محبت اور تعلق کہ اس نے یہ سب تلخیاں شیریں کردی ہیں۔

حضرت خوب سمجھ لیجئے کہ صرف ضابطہ کا تعلق حقوق پرورش کے ادا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ دوسری مثال اور لیجئے۔ دیکھئے اگر بیوی سے صحبت نہ ہو صرف قانونی تعلق ہو تو یہ قسم قسم کے زیور اور نوع بنوع کے جوڑے آپ ہرگز نہ بناویں، اور بیمار ہوتی ہے تو سیکڑوں روپیہ جو آپ خرچ کرتے ہیں ہرگز نہ کریں اس

(۱) مشقت (۲) کیا اس بوجھ اور مشقت کے اٹھانے کی وجہ۔

لئے کہ شرعاً زوج کے ذمہ زوجہ کا معالجہ نہیں ہے، اسی طرح زوجہ (۱) کو اگر زوج (۲) سے محبت نہ ہو تو خانہ داری کے متعلق وہ خدمات جو قانون شرع سے اُس کے ذمہ نہیں ہرگز نہ کرے۔

ضابطہ کا تعلق ادائیگی حقوق کے لئے کافی نہیں

ہمارے تھانہ بھون میں ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب واعظ آئے تھے انہوں نے وعظ میں یہ کہہ دیا کہ کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے جن عورتوں پر قانونیت غالب تھی وہ بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے اپنے خاوندوں کی مخالفت شروع کردی میں نے جب یہ رنگ دیکھا تو میں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگر کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے تو دوا دارو کرنا مردوں کے ذمہ نہیں لیکن یہ اثر ان ہی عورتوں پر ہوا تھا کہ جن پر ضابطہ اور قانون غالب تھا اور جن میں محبت تھی ان کو کچھ اثر نہیں ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ قانون اور ضابطہ کا یہ اثر ہے کہ اس کو سن کر زائد کام سے ہمت قاصر (۳) ہو جاتی ہے اور جو اہل تعلق ہیں ان میں ضابطہ کے جاننے سے تفاوت نہیں ہوتا میں خود اپنی ہی حالت کہتا ہوں کہ طالب علمی سے پہلے تو کچھ نفلیں پڑھنے کی توفیق ہوتی بھی تھی اور جب سے نفلوں کی تعریف پڑھی کہ نفل زائد کو کہتے ہیں اگر نہیں پڑھے گا تو گناہ نہ ہوگا اس دن سے چھوٹ گئیں اس لئے کہ قانونی تعلق تھا، محبت کا میل نہ تھا۔

محبت کا فائدہ

پس اگر آپ کو محبت اور عشق ہے تو گو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ خدمات ہم پر واجب نہیں ہیں مثلاً بیوی کا معالجہ واجب نہیں ہے اور اگر آپ ان کو نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں لیکن آپ وہ دل کہاں سے لاویں گے کہ آپ اولاد کو بیوی کو بیمار دیکھیں

(۱) بیوی (۲) شوہر (۳) ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔

اور آپ چین سے بیٹھے رہیں آپ سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا کہ آپ خود تو پانچ روپیہ گز کا کپڑا پہنیں اور بیوی بچوں کو دو آنے گز کا پہنا دیں، پس یہ محبت ہی ہے جو آپ سے ان مشقتوں کو نہایت سہولت سے کرا رہی ہے اور یہ حق تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ حقوق کے واجب فرمانے کے ساتھ اہل حقوق کی ایسی محبت بھی لگا دی کہ اگر حقوق ادا نہیں کرتے تو قلب میں تکلیف ہوتی ہے پھر کام ایسا بتایا کہ اگر فرض بھی نہ ہوتا تب بھی ہم اپنی رفع تکلیف اور تحصیل راحت کے لئے لامحالہ (۱) کرتے اور فرض کرنے کے بعد جو ادا کرتے ہیں تو ثواب بھی ہے اور لذت بھی اور زیادہ قلوب ایسے ہی ہیں اور بعضے ایسے بھی ہیں جن میں محبت نہیں بھی ہوتی چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت حسن یا حسین علیہما السلام کو پیار کر رہے تھے اقرع بن عابس رئیس نجد کے بیٹھے تھے ان کو تعجب ہوا انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے تو دس بیٹے ہیں تو میں تو کبھی ایک کو بھی پیار نہیں کرتا حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر تمہارے قلب سے اللہ تعالیٰ نے رحمت نکال لی ہو۔

حقیقت وجدانیات

الحاصل محبت اور تعلق ایک وجدانی شے ہے کہ جس کے اندر وہ موجود نہیں ہے ایسے شخص کو اس کے آثار دیکھ کر تعجب ہوتا ہے میرے ایک دوست ہیں ان کے سامنے کسی نے اشعار پڑھے اور لوگوں کو تو بہت لطف آیا وہ کہنے لگے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اشعار میں مزہ ہے ہم کو تو کچھ بھی مزہ نہیں آتا شعر بھی کوئی مزہ کی چیز ہے نہ میٹھے ہیں نہ نمکین گویا ان کے نزدیک مزہ یہی تھا کہ کوئی شے میٹھی یا نمکین ہو اور جن کو لطف آتا ہے وہ کہتے ہیں لذات الافکار خیر من لذات الابکار (۲) دیکھئے عنین (۳) کو اگر کوئی سمجھائے کہ عورت میں کیا لطف ہے تو ہرگز نہیں سمجھا سکتا۔

(۱) ضرور (۲) فکری اور ذہنی آسودگی جسمانی آسودگی سے بہت بہتر ہے (۳) نامرد۔

اندھے مادر زاد(۱) کو اگر دیکھنے کی حقیقت سمجھاؤ تو ممکن نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجدانیات کو الفاظ سے نہیں سمجھا سکتے۔ مگر جس کو وہ شے حاصل ہے اس کو آثار سے سمجھا سکتے ہیں۔

حال کی حقیقت

پس یہ کیفیت محبت کی جو آپ کو سہولت سے طرح طرح کے مصائب کا تحمل کرا دیتی ہے اور اس کے سبب سے اولاد، بیوی اور ماں باپ کے حقوق آپ ادا کرتے ہیں ایسی ہی کیفیت کا نام حال ہے۔

مدار محبت

اب آپ غور کیجئے کہ جس قدر حقوق آپ کے ذمہ اولاد بیوی ماں باپ کے ہیں خدائے تعالیٰ کا بھی کچھ حق ہے یا نہیں، اور جو محبت آپ سے یہ حقوق ادا کرا رہی ہے حق تعالیٰ بھی ایسی محبت کے مستحق ہیں یا نہیں، غور کر کے جو دیکھا جاتا ہے تو مدار اس محبت اور حقوق کا صرف تین چیزیں ہیں جمال، کمال، نوال، یعنی عطاء و انعام، تو کیا خدائے تعالیٰ کے اندر کوئی کمال نہیں یا اس کی طرف سے کوئی انعام نہیں یا اس کے اندر جمال نہیں، ظاہر ہے کہ مرکز تمام کمالات کی وہی ذات پاک ہے اور جو کمال اوروں کے اندر دیکھا جاتا ہے وہ اسی کے کمال کا پرتو ہے ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ　　پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ(۲)

پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسماں　　در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ(۳)

---

(۱) پیدائشی اندھے کو (۲) اپنے حسن کو حسین چہروں میں ظاہر کر کے عاشقوں کی نظر سے خود اس کا مشاہدہ کر رہا ہے (۳) تیرے ایک جلوے کی تاب زمین و آسمان نہیں لا سکتے ہیں حیران ہوں کہ وہ عاشق کے دل میں کیونکر سما گیا۔

محبوب مجازی کا حال

بڑی حماقت ہے ان لوگوں کی جو ایسے جمیل حقیقی کو چھوڑ کر جمال مستعار(۱) کو اپنا قبلہ توجہ بناتے ہیں، ان کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی دیوار پر آفتاب کا عکس دیکھ کر بالذات اسکو چمکیلا سمجھ کر اس پر عاشق ہوجاوے جب آفتاب غروب ہوجاویگا اور اپنی چمک ساتھ لیجاوے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ فیض آفتاب کا تھا۔ ایسے ہی یہ محبوبان مجازی جن پر ہم لوگ لٹو ہورہے ہیں ان کا حسن و جمال محض عاریتی ہے فی الحقیقت یہ مردہ ہیں ۔

عشق بامردہ نباشد پائیدار عشق را با حیّ و باقیوم دار(۲)
عشق ہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود(۳)
عاشقی بامردگاں پائندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست(۴)

عاشقِ صورت پر حق تعالیٰ کی عقوبت ہے کہ ساری عمر گھلتا ہے اور جلتا ہے، اور حاصل کچھ نہیں اس لئے کہ محبوبان مجازی کے اندر وفا نہیں ہے عاشق اپنا جان و مال آبرو سب کچھ دیدیتا ہے اور وہ منہ بھی نہیں لگاتے اور اگر ملے بھی تب بھی عاشقِ صورت کو چین نہیں ہے اور انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو محبوب اس کو چھوڑ کر چل دیتا ہے یا عاشق جدا ہوجاتا ہے۔

محبوب حقیقی کا حال

بخلاف محبوب حقیقی کے کہ اس کی محبت میں حلاوت چین اطمینان اور محبت

(۱) ادھار مانگی ہوئی خوبصورتی (۲) جس پر موت طاری ہونے والی ہو اس کا عشق پائیدار نہیں ہوسکتا۔ عشق اس ذات سے کرنا چاہیئے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہو یعنی اللہ تعالیٰ (۳) جو اللہ کو چھوڑ کر اس رنگ و بو پر عاشق ہوگا وہ عشق اسکے لئے شرمندگی کا باعث ہوگا (۴) مرنے والوں سے عشق کرنا پائیدار نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ مرجائے گا تو پھر یہ کیسے تسلی پائے گا۔

اتنی کہ اگر کوئی جھوٹ موٹ بھی اسکا نام لے تو وہ بھی خالی نہیں جاتا۔ ایک بت پرست کی حکایت ہے کہ وہ ہر وقت بت کے سامنے معتکف ہوا بیٹھا رہتا تھا اور نرے اعتکاف ہی پر اکتفا نہ کرتا تھا بلکہ اس کا نام بھی جپتا تھا یعنی صنم صنم کا وظیفہ پڑھا کرتا تھا اس کا وہ حال تھا جیسے ابونواس کہتا ہے ؎

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرا متی امکن الجھر

یعنی خبردار مجھ کو شراب پلا اور کہہ کہ یہ خمر ہے اور خفیۃً مت پلا جبکہ علی الاعلان پلانا ممکن ہے۔ یہاں سے ایک راز معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور کبھی اللہ کا ذکر نہ کرے وہ دعوئے محبت میں جھوٹا ہے جس سے محبت ہوتی ہے جی یہ چاہا کرتا ہے کہ ہر وقت اسی کی باتیں کریں جیسے مجنوں کی حکایت ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرانورد در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ میکنم خاطر خودرا تسلیٰ می دہم(۱)

دیکھئے مجنوں کے اس لیلیٰ لیلیٰ لکھنے اور کہنے سے لیلیٰ اس کو مل نہیں گئی، لیکن محبت کا خاصہ یہ کہ اگر محبوب نہ ملے تو اس کے نام ہی سے تسلی کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ کافر صنم صنم کر رہا تھا اشد درجہ کا کافر تھا چاہتا تھا کہ محبوب حقیقی کا خیال تک بھی نہ آوے اگر بھولے سے تصور بھی مالک حقیقی کا آجاتا تو اس پر اُس نے ایک ڈاٹ لگادی کہ صنم صنم پکارتا تھا حسب عادت وہ اسی طرح ایک روز صنم صنم کہہ رہا تھا

(۱) میں نے مجنوں کو ایک صحراء میں تنہا غمگین بیٹھے دیکھا کہ ریت کو مثل کاغذ اور انگلی مثل قلم اس پر ایسے چلا رہا تھا جیسے کسی کو خط لکھ رہا ہو۔ میں نے پوچھا کہ اے مجنوں کس کو خط لکھ رہے ہو کہنے لگا کہ لیلیٰ کا نام لکھ لکھ کر خود کو تسلی دے رہا ہوں۔

زبان بہک کر اس کی زبان سے ایک بار صمد نکل گیا معاً[1] آواز آئی لبیک یـــــا عبــدی لیبك یعنی حاضر ہوں میں اے میرے بندے کہہ کیا کہتا ہے اس پر ایک حالت طاری ہوئی اور چیخ مار کر بیہوش ہوگیا جب افاقہ ہوا بت کو خطاب کرکے کہا کہ کمبخت تجھ پر خدا کی مار اتنے دنوں سے میں تیرا نام لیتا تھا کبھی ایک دن بھی تیرے منہ سے جواب نہ نکلا قربان ہوں میں اپنے مالک حقیقی کے، کہ بھولے سے ایک مرتبہ اس کا نام میرے منہ سے نکلا فوراً جواب آیا کاش میں پہلے سے اسی کو پکارتا۔

ہماری پکار کا جواب

اگر کوئی کہیں کہ ہم تو اتنے دنوں سے اللہ کا نام لے رہے ہیں ہم کو تو ایک مرتبہ بھی لبیک نہ کہا حضرت آپ کو بھی لبیک کہا جا رہا ہے اور آپ کے لبیک کے سامنے اس بت پرست کے لبیک کی کچھ بھی حقیقت نہیں اس نے تو ظاہری کانوں سے ہی لبیک سنا اور ایک ہی مرتبہ سنا اور آپ کا قلب جو اشرف الاعضاء[2] ہے ہر وقت لبیک سن رہا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص عبادت کیا کرتا تھا ایک روز اس کو شیطان نے بہکایا اس کو یہ خیال آیا کہ میں ذکر اور عبادت کرتے کرتے تھک گیا اور اُدھر سے نہ پیام ہے نہ جواب ہے، یہ خیال کر کے اس روز وہ تمام اپنے اوراد[3] عبادت چھوڑ کر سو رہا خواب میں حق تعالیٰ کا پیام آیا کہ تو نے آج ہمارا نام نہیں لیا عرض کیا کہ نام کیا لوں نہ کچھ جواب ہے نہ پیام ہے ارشاد ہوا کہ یہ جو تو ہمارا نام لیتا ہے اور تجھ کو توفیق نام لینے کی ہوتی ہے یہی ہماری طرف سے لبیک ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

(۴) فوراً (۱) اعضاء میں سب سے بہتر (۲) تمام عبادات اور وضائف ترک کرکے بیٹھ گیا۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز وسوز وردت پیک ماست (۱)

قبولیت اعمال کی دلیل

ہمارے پیرومرشد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبلہ قدس سرہٗ نے اس کی شرح فرمائی کہ دیکھو اگر کوئی تمہارے یہاں آوے اگر اس کا آنا تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے تو اس کو آنے دیتے ہو اور اگر اس کا آنا مکروہ معلوم ہوتا ہے تو ایک مرتبہ طوعاً وکرہاً آنے دیتے ہو پھر اس کو منع کر دیتے ہو، تو اگر کوئی ایک مرتبہ اللہ کا نام لیتا ہے اور اس کو پھر توفیق دوسری مرتبہ نام لینے کی ہوئی تو سمجھ لو کہ وہ پہلا اسکا نام لینا مقبول ہوگیا، اگر مقبول نہ ہوتا تو دوسری مرتبہ اس کو توفیق نام لینے کی نہ ہوتی اگر کسی نے صبح کی نماز پڑھی اور ظہر کے وقت کی پھر پڑھی تو یہ علامت ہے اس کی کہ اس کی صبح کی نماز مقبول ہوگئی اگر مقبول نہ ہوتی تو ظہر کے وقت اس کو دربار میں گھسنے کی ہرگز اجازت نہ ہوتی۔

حکایت

اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک آقا کا غلام نمازی تھا اور آقا خود بے نمازی تھا دونوں بازار چلے جارہے تھے اتنے میں نماز کا وقت آگیا اور ایک مسجد سامنے آگئی غلام نے کہا کہ حضور میں نماز پڑھ لوں آقا نے اجازت دیدی کہ جلدی پڑھ آؤ میں مسجد کے دروازہ پر بیٹھا ہوں۔ غلام نے مسجد میں جا کر نہایت اطمینان اور خشوع سے نماز شروع کی اور نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ وغیرہ پڑھ رہا تھا کہ آقا نے آواز دی کہ آجاؤ غلام نے جواب دیا کہ آنے نہیں دیتا۔ آقا نے کہا کون نہیں آنے دیتا کہا کہ جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔ الحاصل یہ

(۱) تیرا اپنے منہ سے اللہ اللہ کہنا ہی میرا جواب ہے تیری یہ نیازمندی سوز ودرد میرا ہی تو عطا کردہ ہے۔

انکی عنایت ہے اور علامت مقبولیت بھی ہے کہ آپ کو پھر توفیق اس کی یاد کی ہوگئی، ورنہ آپ کیا کر سکتے ہیں۔ حضرت آپ اپنے اعمال پر کیا ناز کرتے ہیں واللہ اگرادھر سے توفیق نہ ہوتو ایک رکعت بھی نہیں پڑھ سکتے یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ آپ سے کام لے رہے ہیں ۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی　　　منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت (۱)

اور پھر عنایت پر عنایت یہ کہ ہمارے ناقص عمل قبول کررہے ہیں اور اگر اسقدر عنایت نہ ہوتو ان کی بارگاہ کے لائق تو کسی مخلوق کا بھی عمل نہیں ہے۔ ہماری نماز جوقسم قسم کے وساوس اور خطرات ومکروہات کا مجموعہ ہے اس قابل کہاں ہے کہ قبول ہو بلکہ ہمارا عمل تو خواہ کتنا ہی کامل ہو پھر بھی ناقص ہے، اس لئے کہ نقصان ہمارے لوازم ذات سے ہے کسی طرح قابل انفکاک نہیں (۲) ہمارا وجود ہی سراپا نقصان ہے ۔

خود ثنا گفتن زمن ترک ثناست　　　کیں دلیل ہستی وہستی خطاست (۳)

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب (۴)

ہماری حمد وثنا بھی دلیل نقصان کی ہے خود ہمارے اندر امکان ہی ایسا دھبہ ہے جو مرکر بھی رفع نہ ہوگا۔ وجوب تو ایسی شے ہے کہ بالفرض اگر اسکا موصوف نہ رہے تو وجوب بھی جاتا رہے گا گو اس کے موصوف کا ارتفاع محال ہے، مگر وہ قضیۂ شرطیہ تو صادق ہے لیکن امکان ایسی بلا کی شے ہے کہ ممکن پر عدم طاری ہونے کے بعد بھی وہ کہیں نہیں جاتا، اس لئے کہ ممکن کی اصل ہی کو عدم ہے پس یہ امکان کی علت ایسی

(۱) اس بات پر مت اتراؤ کہ تم بادشاہ کی خدمت کررہے ہو بلکہ اس بات پر شکر گزار ہوجاؤ کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا ہے (۲) نقص تو ہماری ذات میں ہے اس سے جدا ہی نہیں ہوتا (۳) اپنی حمد وثنا کو کچھ سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ اس میں اپنی ہستی کا دعویٰ ہے جو کہ غلطی ہے (۴) تیرا تو وجود ہی سراپا گناہ ہے اس سے کوتاہی کے علاوہ کیا سرزد ہوسکتا ہے۔

ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ کسی حالت میں ہمارا اس سے پیچھا نہیں چھوٹتا، پس ہم کو کیسے توقع ہوسکتی ہے کہ ہمارا کوئی عمل اس دربار کے لائق ہے۔ وہاں تو جب کوئی عمل مقبول ہوگا، ناقص ہی ہوگا پس ہم کو تو قوی امید ہے کہ ہماری یہ نماز جس کو ہم ناقص سمجھتے ہیں اور فی الواقع سراسر ناقص (۱) ہے انشاء اللہ مقبول ہی ہوگی ۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت ست چوں نماز مستحاضہ رخصت است (۲)

دیکھئے مستحاضہ (۳) کے خون ٹپکتا ہے اور اس پر بھی اس کو حکم ہے کہ نماز پڑھے حالانکہ نماز بدون طہارت کے نہیں ہوتی۔ لیکن اس کو شارع کی طرف سے کہا جارہا ہے انت طاهرة انت مصلية ایسے ہی ہماری نماز ہے کہ باوجود خطرات اور وساوس کی نجاست کے انشاء اللہ مقبول ہے، اور یہی حال تمام اعمال کا ہے اب آپ کو اپنے لبیک کی حقیقت معلوم ہوئی ہوگی آپ کو ہر وقت لبیک کہا جارہا ہے اور آپ سن رہے ہیں مگر آپ بہرے بنے ہوئے ہیں یہ آپ کا مچلا پن ہے (۴)۔

کان سے سننا اور ہے، دل سے سننا اور

پس اسی بت پرست کی لبیک پر مت ریجھو (۵) وہ چونکہ حق سے بہت دور پڑا تھا اور بیگانہ تھا اور نیز فہم سے بالکل کورا (۶) بلکہ بمراحل بعید (۷) تھا اور منظور تھا کہ اس کو ہدایت ہو اس لئے اس کو فوراً لبیک بالصوت المسموع (۸) کہا گیا اور اس کے کان کو سنایا گیا تاکہ اس کا بہرہ پن دور ہو اس لئے کہ لسان حقیقت کی لبیک سننے سے وہ قاصر تھا (۹) اور آپ ماشاء اللہ مسلم ہیں آپ کا قلب حق پرست اور حق

(۱) جو حقیقتاً ناقص ہی ہے (۲) میرے اس ناقص ذکر کو قبول کرلینا سراسر آپ کی رحمت ہے۔ جیسے مستحاضہ عورت کی نماز قبول کرنا رحمت ہے (۳) جس کو بسبب بیماری کے خون آرہا ہو حیض کی وجہ سے نہیں (۴) آپ کا اپنا نقص ہے (۵) فریفتہ ہو (۶) اس کو سمجھ بالکل نہیں تھی (۷) بلکہ کوسوں دور تھا (۸) پس اس کو ایسے لبیک کہا کہ جس کو اس نے سن لیا (۹) اللہ پاک کی حقیقی لبیک سننے سے وہ بے بہرہ تھا۔

شنو ہے آپ کے اندر لبیک حقیقی کے سننے کی قابلیت ہے پس آپ کو اگر اس کے حاسہ سمع سے (۱) لبیک سننے پر رشک ہے تو یہ آپ کا رشک بالکل بے محل ہے اس لئے کہ اس نے اگر کان سے ایک مرتبہ سنا تو آپ قلب سے ہر وقت سنتے ہیں اور آپ ہی بتلایئے کہ کان اور قلب میں کون افضل ہے۔

حق تعالیٰ کی عنایات

بہر حال حق تعالیٰ کی وہ عنایت و رحمت ہے کہ اگر کوئی جھوٹ موٹ بھی اُس کا نام لیتا ہے تو وہ اس کے حال پر بھی عنایت فرماتے ہیں۔ پھر کتنا ظلم ہے کہ ایسے محبوب حقیقی کو چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی جاوے، غیرت حق کو بہت جوش آتا ہے اور اسی لئے عاشقِ صورت اور متوجہ الی الغیر (۲) سخت تکلیف میں رہتا ہے کسی طرح اس کو چین نہیں آتا۔ اے صاحبو اس محبوب کو تم کیوں نہیں اختیار کرتے جو خود آپ کا طالب ہے۔

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں　　عشقہائے اولین و آخریں
تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　با کریماں کار ہا دشوار نیست (۳)

بہر حال کوئی کمال ایسا نہیں ہے کہ جو حق تعالیٰ کے اند نہ ہو پس حق بھی ان کا سب سے زیادہ ہوگا بلکہ اصل حق اُسی کا ہے۔

حق تعالیٰ سے تعلق

پھر انصاف سے فرمایئے کہ جو کیفیت محبت اور تعلق کی آپ سے اولاد کے

---

(۱) کان سے لبیک سننے پر رشک ہے (۲) دعویٰ تو عشق کا اور توجہ دوسرے کی طرف ہو تو تکلیف میں رہو گے (۳) عشق الٰہی میں ڈوب جاؤ اس کی مٹھاس پاؤ گے اولین و آخرین اسی کی بدولت کامیاب ہوئے تم یہ نہ کہو کہ اس دربار تک ہماری تو رسائی نہیں ہے اس لئے کریموں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے وہ خود تم کو کامیاب کردیں گے۔

حقوق نہایت بشاشت سے ادا کر رہی ہے کیا حق تعالیٰ کے حقوق بھی آپ اسی بشاشت اور سہولت سے ادا کرتے ہیں اور کیا آپ کے اندر وہ تعلق ہے، یہ تو میں نہیں کہتا ہوں کہ نہیں ہے خدا وہ دن نہ کرے کہ یہ تعلق نہ ہو۔ لیکن بہت مغلوب اگر غالب ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ صبح کو سوتے رہتے ہیں اور نماز قضا ہو جاتی ہے یا جماعت فوت ہو جاتی ہے اور کیا وجہ ہے کہ اولاد اگر بیمار ہو تو تمام تمام رات بیداری میں ختم ہو جاتی ہے اور تہجد کے لئے آپ سے نہیں اٹھا جاتا ہے یا اٹھتے ہوئے بہت کاہلی ہوتی ہے اس کی کوئی وجہ بجز اس کے نہیں ہے کہ دل میں لَو نہیں ہے(۱) وہ محبت کی نار شعلہ زن۔

طلب کا فائدہ

اگر کوئی کہے کہ ہم کیا کریں مجبور ہیں اولاد کی تو ہم کو محبت لگا دی گئی ہے اس لئے ان کے لئے ہم تمام مشقتیں برداشت کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی محبت اس درجہ نہیں ہے، ہم کہتے ہیں کہ بتلاؤ جن کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت اس درجہ کی ہے کیا اول ہی سے ہے یا بعد میں پیدا ہوئی ہے اس میں شک نہیں کہ بعض اولیاء اللہ ایسے بھی ہوئے ہیں اور ہیں کہ بدوفطرت سے (۲) وہ مادر زاد ولی ہیں، لیکن بہت کم ہیں اکثر تو ایسے ہیں کہ ابتداء میں نہیں تھے اور مجاہدہ ریاضت کر کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کی ہے، بلکہ بہت سے ایسے بھی ہیں کہ ابتداء عمر میں وہ نہ نماز پڑھتے تھے نہ روزہ رکھتے تھے اور بہت سے معاصی صغائر و کبائر میں بھی مبتلا تھے پھر حق تعالیٰ نے توفیق دی آج ان کی یہ حالت ہے کہ ان کی تہجد تک قضا نہیں ہوتی، حقوق العباد کا ان کو بڑا اہتمام ہو گیا، بتلایئے کیا وہ ہمیشہ سے ایسے ہی تھے اس

(۱) تڑپ نہیں ہے (۲) بچپن ہی سے پیدائشی ولی ہوئے۔

میں شک نہیں کہ اپنے کرنے سے اب بھی نہیں ہوئے، خدا ہی نے ان کو ایسا کردیا ہے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان کی طرف سے کچھ طلب تو ہوئی، یادرکھو طلب کے بغیر کچھ نہیں ملتا حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اَنُلۡزِمُکُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا کٰرِهُوۡنَ ﴾ یعنی کیا ہم اپنی رحمت تم کو چپکا دیں اور تمہاری حالت یہ ہو کہ تم اس سے کارہ[1] ہو کام تو وہی بنانے والے ہیں لیکن یہ دیکھتے ہیں کہ تمہاری طرف سے کچھ تو حرکت ہو۔

مجاہدہ کا فائدہ

چنانچہ ارشاد ہے ﴿ وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ﴾ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقت و مجاہدہ کرتے ہیں ہم بیشک ضرور ان کو اپنے راستے بتلادینگے دیکھئے مجاہدہ و مشقت پر وعدہ ہدایت ہے یہ تو ابتدائی حالت ہے انتہا یہ ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ یعنی بیشک اللہ نیک کاروں کے ساتھ ہے الحاصل آپ کی طرف سے کچھ طلب ہونا چاہیے۔

طلب صادق اور غیر صادق میں فرق

آپ شاید کہیں گے کہ ہم تو بہت چاہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا صاحبو! آپ کے اس چاہنے کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بھوکے کے پاس کسی نے ستو اور شکر اور پانی لاکر رکھدیا اور کہدیا کہ بنائیے اور کھائیے تھوڑی دیر میں وہ شخص آیا تو دیکھا ستو اور شکر وغیرہ اسی طرح رکھا ہے پوچھا کہ میاں تم نے کھایا نہیں کہنے لگے کہ میں نے تو چاہا تھا کہ کھاؤں مگر کھایا نہیں گیا اس شخص نے پوچھا کیونکر چاہا تھا کہ میں نے اس کی تسبیح پڑھی تھی کہ تجھے کھاؤں تجھے کھاؤں تجھے کھاؤں مگر خاک اثر نہیں ہوا پس جیسے اس شخص نے کھانا چاہا ایسے ہی آپ کی خداطلبی ظاہر ہے کہ اس

(۱) تم اسکو ناپسند کرو۔

شخص کو ہر عاقل دیوانہ کہے گا اور اس کو کہا جاویگا کہ میاں چاہنا اس کو نہیں کہتے اگر تم پیٹ بھرنا چاہتے ہو تو یہ کرو کہ ستو میں شکر اور پانی ملاؤ اور اس کو گھولو اور منہ کھولو اور اسکو منہ میں رکھو اور پھر منہ چلاؤ اور پھر نگلو اسی طرح سارا ستو کھاؤ اس کو چاہنا کہتے ہیں اگر پھر بھی پیٹ نہ بھرے تو شکایت کرو۔

طلب اور تمنا میں فرق

اور چاہنا نام نری تمنا کا نہیں ہے یہ تمہاری غلطی ہے کہ تمنا کا نام تم نے طلب رکھا ہے نری تمنا اور رونے پیٹنے سے کام نہیں چلتا جیسے عرفی کہتا ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال   صد سال میتواں بہ تمنا گریستن (۱)

بغیر مجاہدہ وعمل رونے کی مثال

بعض لوگ وعظ سنتے ہیں اور اسکا صرف اسقدر اثر لیتے ہیں کہ دو چار آنسو بہا دیئے اور دو چار مرتبہ سانس بھر لئے بس ساری ولایت ختم ہوگئی اس میں شک نہیں کہ رونا مفید ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قدر ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

کیں تضرع را برِ حق قدرہا ست   کایں بہا کانجاست زاری را کجاست

لیکن بغیر عمل اور مجاہدہ کے اس رونے کی ایسی مثال ہے جیسے وضو کرلیا اور نماز نہیں پڑھی تو جس طرح نری وضو بغیر نماز کے کافی نہیں اسی طرح صرف رونا بھی کافی نہیں عرفی کا شعر یہاں بھی یاد کرلو اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

لوكان هذا العلم يدرك بالندم   ماكان يبقى في البرية جاهل

فاجهدو ولا تكسل ولاتك غافل   فندامة العقبىٰ لمن يتكاسل (۲)

(۱) عرفی اگر رونے دھونے سے وصال میسر ہوسکتا ہے تو میں اس تمنا میں سو سال روسکتا ہوں (۲) اگر یہ علم صرف ندامت کے اظہار سے حاصل ہوجایا کرتا تو دنیا میں کوئی جاہل نہ رہتا جدوجہد کر سستی نہ کر اور غفلت میں نہ پڑ جو سستی کرے گا آخرت میں ندامت اٹھانی پڑے گی۔

اشکال و جواب

اگر کوئی کہے کہ تم نے اول تو یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس تیسری شے سے تمام گرانیاں دفع ہوجائیں گی یہاں تو تم نے پھر وہی محنت اور مشقت کی علت لگائی بات یہ ہے کہ میں نے یہ کہا تھا کہ وہ تیسری شے ان تمام گرانیوں کو سہل کردے گی جو تم کو تکلیفات شرعیہ کے ادا کرنے میں پیش آتی ہیں اور خود اس شے کی تحصیل کے اندر جو مشقت پیش آوے گی اس کی میں نے نفی نہیں کی۔

چندروزہ مشقت

اور یاد رکھو کہ حال کے تحصیل میں جو مشقت ہے وہ چندروزہ ہے اس کے بعد راحت ہی راحت ہے ؎

چند روزے جہد کن باقی بخند (۱)

اور اس چندروز کی کوئی میعاد نہیں ہے بعضوں کا چالیس ہی روز میں کام بن جاتا ہے بعضوں کا اس سے بھی کم میں بعضوں کو کچھ زائد مدت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے تو اتنی تھوڑی مدت کی مشقت ایسے گرانمایہ نفع کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ تو فرماتے ہیں ؎

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے
جان دیکر بھی اگر یہ دولت ملے توارزاں ہے

حقیقتِ جان

اس لئے کہ یہ جان کہاں سے آئی ہے یہ بھی تو ان کی ہی دی ہوئی ہے

(۱) چند دن مشقت اٹھالو تو پھر آرام ہی آرام ہے۔

یہ ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی بڑے تاجر کی دوکان پر گیا اور وہاں دیکھا کہ بڑی عجیب عجیب چیزیں فروخت ہو رہی ہیں اس کو ایک شے دیکھ کر لالچ آیا اس کی قیمت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ شے ہزار روپے کی ہے اب ہزار روپے کہاں ہیں کہ خریدے اس تاجر نے اس کا افلاس دیکھ کر اپنے نوکر کو حکم دیا کہ اس شخص کو ایک ہزار روپے دے دو چنانچہ غلام نے ایک ہزار روپیہ اس کو دیدیئے اس نے اُس روپیہ کی وہ شے خرید لی۔ اب اس کو خریدنا اور مبادلہ نہ کہا جاویگا، وہ کریم تاجر اپنے کرم سے چاہے اس کو بیع وشرا کہے لیکن فی الواقع یہ عطا اور صلہ اور کرم ہے پس یہ جان اور مال جو ہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہ سب ان کی ہی عطاء ہے مگر وہ اپنے کرم سے اس کو اشترا فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے، قیمت بھی ان ہی کی ہے، اور متاع بھی ان کی ہے

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

پس مومنین کو انہوں نے جان اور مال اس لئے عطا فرمائے ہیں تا کہ اس کے عوض میں جنت خریدیں، لیکن ہم ایسے بے عقل ہیں کہ ہم کو جو قیمت دی گئی تھی اس کو دیتے ہوئے ہم بخل کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دولت جو یہ جان و مال دیکر آوے گی وہ اس سے کروڑ ہا درجہ بہتر ہے، جیسے اس تاجر نے اس مفلس کو ہزار روپیہ اس لئے دیئے تھے کہ ان سے وہ شے خریدے جو قیمت میں ایک ہزار روپیہ کی ہے لیکن اس احمق نے وہ ہزار روپیہ لیکر رکھ لئے اور یہ نہ سمجھا کہ ان کو خرچ کردوں گا تو ایک ہزار روپیہ کی شے آوے گی۔ پس اے حضرات اگر جان دینے

سے بھی یہ دولت ہاتھ آجاوے تو بہت سستی ہے، اور میں تو آپ کو بہت تھوڑے دنوں کی محنت بتلاتا ہوں کہ جس کی کچھ میعاد بھی معین نہیں بعضوں پر منٹوں میں فضل ہوجاتا ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری محنت کا نام ہی نام ہے اصل تو عنایت ہے۔ اسی لئے بزرگان دین فرماتے ہیں کار بعنایت است باقی بہانہ(۱) جس وقت عنایت ہوتی ہے ایک منٹ بھی نہیں گزرتا پس میں کوئی میعاد بھی مقرر نہیں کرتا اور نہ محبت و مشقت کے لئے کہتا ہوں۔

طالب بنو اور کسی کا دامن پکڑو

بس اتنا کرو کہ طلب میں لگ جاؤ اور کسی رہبر کامل کا دامن پکڑلو پس انشاء اللہ دولت ملی ہوئی ہے کچھ دیر نہیں، دیکھو جن کو دولتیں ملی ہیں وہ کیا کہتے ہیں ان کے اقوال دیکھئے عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجب تم دادند واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

آگے اس دولت کے ملنے کا ظاہری سبب ارشاد فرماتے ہیں ؎

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں خاک اوگشتم وچندیں درجاتم دادند

یعنی رہبر و مرشد موصل کی غلامی عجیب چیز ہے کہ جن کی وجہ سے مجھ کو یہ درجات ملے ہیں۔ پس موصل کی ضرورت ہے موسلوں کی ضرورت نہیں اتنی سہولتوں پر بھی اگر کوئی محروم رہے تو وہ واجد علی شاہ کے یہاں کے احدیوں سے کم نہیں ہے۔

احدیوں کی حکایت

کہ اس کے یہاں احدی تھے ایک ان میں سے ایک روز بیٹھا رہتا تھا اور دوسرا لیٹا رہتا تھا، اور دوسرے دن، دوسرا بیٹھتا تھا اور پہلا لیٹتا تھا ایک روز ایک سوار

(۱) کام تو عنایت ربانی سے بنتا ہے باقی سب بہانے ہیں۔

جارہا تھا جو احدی لیٹا تھا اس نے کہا کہ میاں سوار یہ بیر جو میری چھاتی پر رکھا ہے ذرا میری منہ میں ڈالتے جاؤ اس نے کہا کہ بھائی تم خود ڈال لو یہ تو کوئی مشکل کام نہیں، کہنے لگا کہ واہ یہ مشکل نہیں ہاتھ اٹھانا پھر اس کو موڑ کر چھاتی پر لانا پھر بیر جیسی بھاری چیز اٹھانا پھر منہ میں رکھنا یہ کتنا بڑا کام ہے، اس سوار نے کہا کہ یہ جو تیرے پاس بیٹھا ہے یہ ڈالدے گا یہ سن کر وہ بیٹھا ہوا احدی کہنے لگا کہ نہ صاحب میں ہرگز نہ ڈالوں گا، کل کی بات ہے میں لیٹا تھا یہ بیٹھا تھا ایک کتا میرے منہ میں مُوت (۱) گیا اس سے اتنا تو ہوا ہی نہیں کہ کتے کو ہٹادے میں اس کے منہ میں بیر کیوں ڈالوں بَیر (۲) تو خود پہلے اسی نے باندھا ہے (اس حکایت پر تمام مجمع کو بے اختیار ہنسی آگئی ۱۲ جامع) تو صاحبو ہم ان احدیوں کی حکایت پر تو ہنستے ہیں۔

ہمارا حال

مگر فی الحقیقت ہم میں بھی ہر شخص خدائے تعالیٰ کی راہ میں ایسا ہی احدی ہے کہ پکی پکائی رکھی ہے اور ہم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ ہاتھ بڑھا کر منہ میں رکھ کر چبا کر نگل جاویں، اور پکی پکائی کیا چیز ہے پکایا کس نے ان کو بھی بیان کردوں پکانے والے وہ ہیں کہ جن حضرات نے دین کو جمع کیا اور اس کے واسطے طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں انہوں نے اس کو پیسا چھانا گوندھا پکایا اب وہ بالکل ہر طرح سے تیار ہے کوئی حالت منتظرہ اس میں نہیں ہے آپ کے سامنے دستر خوان بچھا ہوا تیار رکھا ہے اب کھانا آپ کا کام ہے، اور اگر کسی نے لقمہ اٹھا کر آپ کے منہ میں رکھدیا تو چبانا اور نگلنا تو بہر حال آپ کو ہی پڑے گا یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی اور کھالے اور پیٹ میں تمہارے چلا جائے اگر ایسا ہوتا کہ کوئی پیٹ بھرا انگڑائی لے لے اور

(۱) پیشاب کر گیا (۲) دشمنی تو پہلے اسی نے شروع کی ہے۔

ہمارے پیٹ میں چلا جاوے تو اس صورت میں ہم کون بنتے، کتے بن جاتے (۱) یا ایسی مثال ہے کہ کوئی میانجی لڑکوں سے کہے کہ سبق یاد کرلو اور وہ لڑکے کہیں کہ میانجی تم ہی یاد کرلو تعجب ہے کہ سوائے دین کے جس قدر مقاصد ہیں سب میں یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر کئے کچھ نہیں ہوتا مگر دین کو یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر کئے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

خالی تمنا سے کچھ نہیں ہوتا

اے صاحبو بغیر کئے کچھ نہیں ہوتا کرنا پڑتا ہے مگر بہت نہیں جس درجہ کا مطلوب ہے اس درجہ کی محنت نہیں کرنا پڑتی اس سے بہت کم کرنا پڑتی ہے تھوڑی توجہ اور طلب سے اللہ کا فضل ہوجاتا ہے، دیکھو کھیتی جو مقاصد دنیوی سے ہے اور مقاصد اخروی کے ساتھ اس کو وہی نسبت ہے، جو ایک ادنیٰ غلام کو اپنے آقا سے ہوتی ہے، اس کے لئے بھی بڑے سامان کی ضرورت ہے اول ہل بنواؤ بیل لاؤ زمین کو کریدو بیج ڈالو پھر جب کھیتی نکل آئے، اس کو سینچو، پانی دو، نولاؤ، حفاظت کرو اس کے بعد امید رکھنا برمحل ہوتا ہے اور اگر کوئی کچھ نہ کرے اور امید باندھ لے تو ہر شخص اس کو احمق بنائے گا، ترے چاہنے سے کھیتی نہ نکلے گی کرنے پر بھی اگر پیدا ہوجاوے تو حق تعالیٰ کا فضل ہے اسی طرح مقاصد آخرت ہیں کہ ترے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا کچھ کرنا ضروری ہے گو تھوڑا ہی سہی۔

ہمارا کام

اور جب حق تعالیٰ کا فضل ہوجاوے تو اس پر یہ نہ سمجھو کہ ہمارے عمل کا

---

(۱) عوام میں یہ مشہور ہے کہ اگر کھانا کھا کر انگڑائی لے لیں تو تمام کھانا کتے کے پیٹ میں چلا جاتا ہے ظرافۃً اسی طرف اشارہ ہے ۱۲ جامع)۔

ثمرہ ہے اور دینی و دنیوی مقاصد میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کے لئے جو مشقت کی جاتی ہے اس پر کبھی ثمرہ مرتب ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا بخلاف دینی مطالب کے ان کے لئے تھوڑا سا عمل بھی اگر کیا جاتا ہے تو کبھی بے ثمرہ نہیں رہتا لیکن بجز رضائے حق کے دوسرے ثمرہ کی طلب نہ ہونا چاہیئے طلب سے محض رضائے مولا مقصود ہونا چاہیئے، پس آپکا کام محض طلب ہے اور ایصال ان کا کام ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست　　　تا بجوشد آبت از بالاؤ پست

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں(۱)

لیکن ان اشعار سے یہ نہ سمجھو کہ نری طلب کافی ہے کرنا کچھ نہ پڑے گا اس لئے کہ جب پانی چاروں طرف سے جوش مارے گا تو اس کو پینا تو تمہارا ہی کام ہے پانی کو لانا تمہارا کام نہیں ہے، باقی پینا تو تم کو ہی پڑے گا اور پانی اس وقت بھی تمہاری چاروں طرف سے اُبل ابل کر آرہا ہے دیکھو اس وقت جو تمہارے کانوں میں دین کی باتیں پڑرہی ہیں بتلاؤ تم نے کون سے اس کے لئے پھاوڑے اور کدال چلائے تھے، بلا تمہاری محنت کے تم کو مل رہا ہے اب پینا تمہارا کام ہے اگر یہ بھی تم سے نہ ہوسکے تو بہت افسوس ہے۔ طبیب اگر تمہارے گھر آکر نبض دیکھے اور نسخہ لکھے اور دوا بھی اپنے نوکر سے بنوادے پھر بھی اگر مریض اس کو نہ کھاوے اور یہ کہے کہ حکیم جی بس آپ ہی پی لیں، تو اس مریض کو اپنی شفا ہی مطلوب نہیں حکیم جی کے دوا پینے سے اگر مریض کو صحت ہوجاتی تو اس کو اس سے بھی انکار نہیں تھا لیکن کیا کیا جاوے کام تو اپنے ہی کئے سے ہوتا ہے۔

(۱) پانی کو تلاش نہ کرو پیاس پیدا کرو جب پیاس بھڑک اٹھے گی پانی بھی مل جائے گا اس لئے کہ جیسے پیاسوں کو پانی کی تلاش ہوتی ایسے ہی پانی کو بھی پیاسے کی تلاش ہوتی ہے

جاہل پیروں کا حال

جاہل پیروں نے اپنی آمدنی کے واسطے لوگوں کے دل میں یہ بٹھلا دیا کہ پیر تمہارے سب بوجھ اٹھالیں گے تم کو کچھ کرنا نہ پڑے گا، جیسے ایک موروثی پیر کسی گاؤں میں پہنچے ایک مُرید نے کہا کہ پیرتوں (تو) دُبلا بہت ہورہا ہے پیر صاحب فرماتے ہیں دبلا کیسے نہ ہوں، ظالمو نماز تم نہیں پڑھتے، مجھ کو تمہاری طرف سے نماز پڑھنا پڑتی ہے۔ روزہ نہیں رکھتے، روزہ میں رکھتا ہوں، پل صراط پر تمہاری طرف سے مجھ کو چلنا پڑتا ہے، جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے کہنے لگا کہ پیر تو ہماری وجہ سے بڑی مصیبت میں ہے جا فلانا کھیت مونجی کا تجھ کو دیدیا، پیر نے کہا کہ بھائی مجھ کو چل کر قبضہ کرادے، وہ اس کے ساتھ کھیت دکھلانے چلا ایک تپلی سی ڈول آئی پیر پھسل کر گر گئے گاؤں والے نے ایک لات پیچھے سے رسید کی اور کہا پلصراط پر تو کیا چلتا ہوگا ڈول پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا۔ ایسے پیروں نے لوگوں کے دماغ خراب کر دیئے ہیں ساری دنیا کے قصوں کے بھی پیر ہی ذمہ دار ہیں گناہوں کا بوجھ بھی پیر ہی اٹھانے والے ہیں، پیر کیا ہوئے خاصے پلہ دار ہیں بلکہ بھنگی ہیں، اس لئے کہ گناہ نجاست سے بھی زیادہ ہے اور بعضے گاؤں میں تو ایسوں کو واقعی بھنگی کے برابر سمجھتے ہیں۔ ایک گاؤں میں کمیوں کے حقوق نکال رہے تھے کہ یہ حصہ دھوبی کا ہے یہ بڑھئی کا ہے یہ لوہار کا ہے یہ سقہ کا ہے ایک بڈھا سا بیٹھا تھا کہنے لگا کہ ارے اُس سسرے پیر کا تو نکال لو۔ قیامت کے دن ایسے پیروں کی گردن ناپی جاوے گی یاد رکھو کہ جب کام چلے گا اپنے ہی کرنے سے چلے گا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ یعنی انسان کو وہی ملنا ہے جو اس نے سعی کی ہے۔

معتزلہ کا رد

یہاں پر ایک بات طلبہ کے کام کی یاد آئی وہ یہ ہے کہ معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانے سے بھی نہیں پہنچ سکتا اور ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ لـلانسان میں لام نفع کا ہے اور نفع دو قسم کا ہے ایک ثواب دوسرا وہ خاصیت جو عامل کے اندر اس سے پیدا ہوتی ہے پس یہاں دوسری قسم کا نفع مراد ہے نہ کہ اول قسم کا بوجہ دوسری نصوص کے۔

اعمال کے خواص

چنانچہ ایک دوسری آیت سے بھی یہ مضمون معلوم ہوتا ہے کہ عمل کی بعض خاصیتیں وہ ہیں کہ ان کا ثمرہ خاص عامل ہی کو حاصل ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

یعنی مثل ان لوگوں کے جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضامندی کی طلب کرنے اور اپنے نفسوں کو نیک کاموں پر جمانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ دیکھئے اس آیت میں مال کے خرچ کرنے کی خاصیتیں ارشاد فرمائی ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنا یعنی ثواب، دوسرے اپنے نفس کو جمانا یعنی اس میں سخاوت کا ملکہ پیدا کرنا، جس کا حاصل اخلاق کی درستی ہے چنانچہ واوٴ عاطفہ ان دونوں کے تغایر[۱] پر دال ہے، پس ثواب تو وہ شے ہے کہ دوسرے کے کرنے سے بھی مل جاتا ہے اور نفس عمل کی جو خاصیت ہے یعنی نفس میں ملکہ اور قوت پیدا ہونا یہ بغیر اپنے کئے نہیں ہوسکتا دیکھو پہلوان دوست دشمن سے تو بچاویگا لیکن تمہارے اندر وہ قوت نہیں پیدا کرسکتا۔

(۱) واوٴ عاطفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ حکم ہیں۔

قوت جب ہی ہوگی جبکہ تم خود ورزش کروگے۔

حال کی تعریف

خلاصہ یہ ہے کہ بدون اپنے کئے نفس کے اندر قوت نیک اعمال کی پیدا نہیں ہوسکتی اور اس قوت ہی کا نام حال ہے سو لوگوں کو بالعموم اس کی فکر ہی نہیں ہے۔

ہمارے اعمال کا حال

نماز پڑھتے ہیں لیکن اس کا فکر نہیں کہ اس کی دُھن لگ جائے روزہ رکھتے ہیں حج کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں مگر اترے(۱) دل سے، اس کا شوق نہیں بعضے فرائض وواجبات سے ترقی کرکے ذکر بھی کرتے ہیں لیکن ان کا ذکر صرف زبان پر ہے قلب میں کچھ اثر نہیں اور اس اثر نہ ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی ان عبادات کو دوام نہیں(۲) ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی جڑ قلب میں پیدا نہیں ہوئی اگر نماز قضا ہوجائے تو ہوجائے کچھ غم نہیں وہ نماز روزہ بزبان حال یہ کہتا ہے ؎

قلق از سوزشِ پروانہ داری ولے از سوز ما پروا نہ داری(۳)

ایک پیسہ کا نقصان ہوجاتا ہے تو اس کا غم ہے اور نمازیں چٹ(۴) کرتے ہیں لیکن ذرا دل نہیں دکھتا، بعضے نمازی مہینوں نماز پڑھتے ہیں اور پھر مہینوں چھوڑ دیتے ہیں ذرا جی بُرا نہیں ہوتا تو یہ بات کیا ہے بات یہی ہے کہ قلب میں کوئی بات پیدا نہیں ہوئی، عوام تو عوام اہل علم اور طلبہ کی ان سے زیادہ شکایت ہے کہ پڑھ لکھ کر ان میں بات نہیں پیدا ہوئی انکا بڑا مقصود اور مبلغ مطلب صرف اسقدر ہے کہ کتابیں ختم ہوکر دستار فضیلت بندھ جاوے اور اگر چار آدمیوں میں شہرت بھی

(۱) بے دلی سے (۲) تسلسل (۳) تجھے میرے ضائع ہونے کا افسوس نہیں ہے تو مجھے بھی تیری پرواہ نہیں ہے
(۴) نمازیں قضاء کرتے ہیں۔

ہو جاوے تو یہ انتہائی معراج ہے اندرونی حالت خواہ کیسی ہی ہو کچھ پروا نہیں ہماری وہ حالت ہے ۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل　　واندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید　　وزدرو نت ننگ می دارد یزید(۱)

ہم یزید کو ملامت کرتے ہیں لیکن ہمارا قلب یزید سے بھی بدتر ہو رہا ہے ان ہی افعال میں ہم بھی مبتلا ہیں جن میں وہ تھا گویا خود اپنے کو ملامت کر رہے ہیں جیسے شیطان کی نسبت لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ ایک ان میں سے ملعون ہوگا شیطان نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت کر جو تیرے نافرمانی کرے حالانکہ ملعون خود ہی تھا ۔

درلوح می نوشتہ کہ ملعون شود یکے　　بردم گماں بہر کس و بر خود گماں نبود(۲)
حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد　　ہمچو آں شیرے کر بر خود حملہ کرد(۳)

ہم لوگوں کی بھی یہی حالت ہے کہ ہم دوسروں کی عیب جوئی اور برا کہنے میں مشغول ہیں حالانکہ وہ حملہ خود اپنے اوپر ہے اس لئے کہ وہ ہی صفات خود ہمارے اندر موجود ہیں۔

حبشی کا حال

ایک حبشی کی حکایت لکھی ہے کہ اس کو کہیں سے ایک آئینہ پڑا مل گیا اس کو

(۱) تیرا ظاہر کافر کی قبر کی طرح اوپر سے خوبصورت ہے اندر کا حال یہ ہے کہ اعمال بد کی وجہ سے قہر خداوندی کا مستحق ہوں ظاہرا تو حضرت بایزید جیسے بزرگ پر طعنہ زنی کرتا ہوں اور باطن کا یہ حال ہے کہ اس کو دیکھ کر یزید جیسا برا آدمی بھی شرما جائے (۲) لوح محفوظ میں لکھا تھا کہ ایک شخص پر اللہ کی لعنت ہوگی شیطان نے دوسروں کے بارے میں تو یہ گمان کیا کہ اس کا مورد وہ لوگ ہوں گے اپنے بارے میں کبھی نہیں سوچا کہ میں بھی اس کا مورد ہوسکتا ہوں کیونکہ خود کو نیک سمجھتا تھا (۳) تو اپنے اوپر ہی حملہ آور ہے اس شیر کی طرح جو پانی میں اپنا عکس دیکھ کر خود پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔

اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنی کالی کالی صورت شریف نظر پڑی کہنے لگا کہ کمبخت جب تو ایسا بدصورت تھا تب ہی تو کوئی تجھ کو یہاں پھینک گیا ہے۔

حکایت

ایک اور احمق کی حکایت ہے کہ اس کا بچہ کھانا کھا رہا تھا روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی کے لوٹے میں گر گیا اس بچہ نے اس میں دیکھا تو اپنی صورت اس میں نظر پڑی کہنے لگا کہ ابا اس نے میری روٹی چھین لی ابا جان نے جھک کر دیکھا تو اس میں اپنی صورت مبارک نظر آئی کہتے ہیں کہ تف ہے تیری اوقات پر اور لعنت ہے تجھ پر یہ ڈاڑھی سفید لگا کر بچہ کی روٹی چھین لی پس اے حضرات ہم یزید کو یا کسی کو جو لعنت کرتے ہیں وہ لعنت درحقیقت ہم اپنے اوپر کر رہے ہیں۔

ہماری مثال

ایک اور شخص کی حکایت مثنوی شریف میں لکھی ہے اس کا نام جوحی تھا وہ اپنے باپ کے ساتھ جا رہا تھا ایک شخص کا جنازہ لئے جا رہے تھے اور اس کا بیٹا کہتا تھا اے ابا تجھ کو یہ کہاں لئے جا رہے ہیں وہ ایسا مکان ہے کہ نہ اس میں دیواریں ہیں نہ فرش ہے نہ کواڑ ہیں نہ کھانے کی کوئی چیز ہے نہ کوئی انیس ہے(1) نہ مددگار ہے تو جوحی یہ سن کر اپنے باپ سے کہتا ہے کہ ابا کیا اس کو ہمارے گھر لئے جا رہے ہیں اس لئے کہ یہ صفات تو ہمارے مکان کے ہیں مولانا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اے شخص جن چیزوں پر تو لعنت کرتا ہے جب وہ تمام تر تیرے اندر موجود ہیں اور سب کے پتے تیرے اندر ملتے ہیں تو یہ لعنت تو اُن پر نہیں ہے یہ تو خود تجھ پر ہوئی ہماری حالت یہ ہے کہ مولوی ہوگئے ہیں پیر بن گئے ہیں اور دوسروں کو وعظ نصیحت کرتے ہیں لیکن باطن ہمارا ظاہر کے مطابق نہیں ہے جیسے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

(1) غم خوار۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبر میکنند چوں بخلوت مے روند ایں کار دیگر می کنند (۱)
مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

ہماری خوش فہمی کی وجہ اور اس کی مثال

معتقدین نے ہمارا دماغ خراب کردیا ہے یہ عوام کا اعتقاد ہے ہمارے کیا کام آسکتا ہے جبکہ ہمارا قلب درست نہ ہو ہماری وہ مثال ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک گھوڑا بہت سرکش اور شریر تھا اس نے ایک اپنے دوست سے کہا کہ میاں اس گھوڑے نے مجھ کو بہت دق کیا ہے (۲) اس کو بکوادو اُس نے بازار میں کھڑے ہوکر اُس گھوڑے کی تعریف شروع کی کہ یہ گھوڑا ایسا رہوار ہے (۳) اور ایسا ایسا ہے (۴) مالک بھی وہاں موجود تھا اس کے چکنے، چپڑے الفاظ سن کر کہنے لگا کہ اس کو میں ہی خرید لوں اس نے کہا کمبخت تیرے پاس یہ گھوڑا اتنی مدت سے ہے اور تجھ کو اس کے عیوب معلوم ہیں تیرا اتنی مدت کا علم میرے چند الفاظ سے جاتا رہا ایسے ہی ہماری حالت ہے کہ کوئی ہم میں سے بچاس برس کا ہے کوئی چالیس برس کا اور اتنے دنوں سے ہم اس نفس سرکش کی سرکشی دیکھ رہے ہیں کہ ہم کو اس نے دق کر رکھا ہے لیکن عوام کی جھوٹی مدح وثنا سے ہم دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اور مدتوں کا تجربہ ہمارا جاتا رہتا ہے۔

ہمارے حسب حال ایک حکایت

ایک اور حکایت یاد آئی اشعب ایک شخص عرب میں بہت طماع (۵) تھے

(۱) واعظین ممبر ومحراب پر کھڑے ہوکر دھواں دار ناصحانہ تقاریر کرتے ہیں جب تنہائی میں ہوتے ہیں اپنی نصیحت کے خلاف کام خود کرتے ہیں۔ اس سوال کا جواب مشکل ہوگیا جب مجلس میں موجود ایک عقل مند نے پوچھا کہ لوگوں کو تو توبہ کرنے کی نصیحت کرتے ہو خود توبہ کرتے نہیں ہو (۲) پریشان (۳) تیز رفتار ہے (۴) یعنی بہت سی خوبیوں کا مالک ہے (۵) لالچی شخص۔

ان کو لڑکے بہت چھیڑتے تھے ایک روز حسب عادت لڑکے دق(۱) کر رہے تھے انہوں نے لڑکوں کے منتشر(۲) کرنے کے واسطے یہ کہہ دیا کہ دیکھو فلاں مقام پر کھانا تقسیم ہو رہا ہے لڑکے اس طرف دوڑے لڑکوں کے دوڑنے سے ان کو بھی وہم ہو گیا کہ یہ جو جا رہے ہیں تو ضرور کھانا تقسیم ہو رہا ہوگا خود بھی اسی طرف چلدیئے اسی طرح ہم لوگوں کی حالت ہے کہ خود ہی تو لوگوں کو ہم نے دھوکا دیا پھر وہی لوگ جو ہمارے ہاتھ چومتے ہیں تو اس سے ہم دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہمارے اندر کچھ تو ہے جو لوگ ہماری اس قدر تعظیم کرتے ہیں اور اپنی شرارتوں کو اور دھوکہ بازی کو بھول جاتے ہی۔

اے صاحبو! اہل علم میں جو فضائل ہونا چاہیئے وہ ہمارے اندر کہاں ہیں صبر کہاں ہے شکر کہاں ہے تواضع کہاں ہے، حب جاہ(۳) سے نفرت اور خمول(۴) کی رغبت۔

ہماری بدحالی

جو مسلمان ہم سے ملتے ہیں ہم خود ان سے تعظیم کے طالب ہوتے ہیں اگر کوئی ایک مرتبہ ہم کو بلاوے اور نذر دے دوسری دفعہ اگر بلائیگا تو خیال ہوتا ہے کہ اب کی مرتبہ بھی نذر ملے گی اور اگر نہیں دیتا ہے تو قلب میں شکایت ہوتی ہے اور بعضے زبان سے بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور یہ حالات، میں عوام واعظوں کی بیان نہیں کرتا ان کے حالات تو اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ(۵) ہیں یہ تو ان علماء کی حالت ہے جو علم کے ساتھ مشیخت کے مسند پر بیٹھے ہیں اور لوگوں کے مقتدا بنے ہیں تو آخر یہ کیا بات ہے، یہ کیا آفت ہے، بس بات یہ ہے کہ علم ہمارے صرف زبان پر

(۱) تنگ (۲) بھگانے کے لئے (۳) اقتدار کی محبت سے نفرت (۴) انکساری (۵) ان کا حال تو ناقابل بیان ہے۔

ہے ہمارے اندر نہیں پہنچا اگر قلب میں اس کا اثر ہوتا اور قلب اس سے رنگین ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی ۔

علم چوں بردل زنی یارے بود علم چوں برتن زنی مارے بود(۱)
علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت زنگ گمراہی زدل بزدایدت(۲)
ایں ہو سہا از سرت بیروں کند خوف وخشیت دردلت افزوں کند(۳)
تو ندانی جز یجوز و لا یجوز توچہ میدانی کہ تو حوری یا عجوز(۴)

ہمارے اندر کبر اس درجہ ہے کہ اگر راہ میں کوئی مسلمان مل جاوے تو خود سلام نہ کرینگے منتظر رہیں گے کہ یہ خود ہم کو سلام کرے اگر کسی مسئلہ میں ہم سے غلطی ہوجاتی ہے تو ہرگز نہ مانیں گے اگر تدریس کے وقت کوئی طالب علم حق بات کہے اور وہ ہمارے خلاف ہو تو اپنی بات کو پچ کریں گے ہرگز اس کی بات کو تسلیم نہ کریں گے تو آفت کس شے کی ہے اور یہ حالت ہماری کیوں ہے بس قلب میں کوئی چیز نہیں ہے۔

علماء کو نصیحت

اس لئے میں اہل علم کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ علم تو آپ لوگوں نے حاصل کرلیا اور عمل بھی کم وبیش بفضلہٖ تعالیٰ کرتے ہو اب اس کی کوشش کرو کہ تمہارے اندر ایسا ملکہ راسخہ پیدا ہوجاوے کہ جس سے اعمال شرعیہ تمہاری طبیعت ثانیہ بن جاویں اور دنیا کے واسطے آپ دین کو ذلیل نہ کریں آپ اس دنیا سے اسقدر مستغنی(۵) ہوں کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی آپ کو ملے اور دین کا

(۱) علم جب دل میں اتر جاتا ہے تو اثر کرتا ہے۔ علم کے آثار اگر صرف جسم پر ہی ہوں تو وہ مثل سانپ کے ہے (۲) وہ علم ہی کیا جو راہ ہدایت نہ دکھائے اور جس سے گمراہی کا زنگ مزید بڑھ جائے (۳) یہ تو صرف ایک ہوس ہے اس کو دل سے نکال باہر کرو خدا کا خوف اور اس کی خشیت دل میں پیدا کرو (۴) تجھے تو جائز ناجائز کے سوا کچھ پتہ نہیں تجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تو حور ہے یا بڑھیا (۵) بے نیاز۔

استخفاف ہو تو آپ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں آپ کی وہ حالت ہو ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی　بے زرو گنج بصد حشمت قاروں باشی (۱)

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی (۲)

اور آپ کی یہ حالت ہو کہ نہ آپ کو مال کی طلب ہو نہ جاہ کی نہ اچھے لباس کی اور نہ اچھے مکان کی نہ لوگوں کی تعظیم وتکریم سے آپ از جارفتہ ہوں اور نہ کسی کی تحقیر وتوہین سے آپ دل شکستہ ہوں اور نہ دنیا کے واسطے امراء کے دروازوں پر جاکر آپ ذلیل ہوں اور نہ غربا کے یہاں جانے سے آپ کو عار ہو اگر ہزار روپیہ آپ کو ملتے ہوں لیکن دین کچھ بھی جاتا ہو تو آپ ان ہزار روپیہ پر پیشاب کریں۔

امراء سے چندہ مانگنے سے احتراز

میں آج صاف کہتا ہوں گو یا میری اس رائے کو لوگ پسند نہیں کرتے اور گو بعض احباب کو ناگوار ہو کہ جیسے دنیا کے واسطے امراء کے دروازوں پر جانے سے روکتا ہوں اسی طرح دینی کاموں کے واسطے چندہ لینے کے لئے بھی امراء کی طرف مت مائل ہوں حضرات آپ کو معلوم نہیں ہے آج کل مانگنے والوں کی کثرت ہوئی ہے کہ لوگ گھبرانے لگے ہیں مولویوں کی صورت دیکھتے ہی گھبرا جاتے ہیں کہ اب چندہ دینا پڑے گا بہت کم ہیں وہ نفوس جو محض اخلاص سے دین کی خدمت کے لئے آپ کو دیتے ہیں اس لئے خدا کے لئے اس کو بالکل چھوڑ دو۔

بس جو کام آپ کا ہے وہ آپ کریں آپ کا کام دین کی خدمت ہے آپ گوشوں میں رہیئے اور اپنے کام میں لگے رہیئے اگر آپ ایسا طرز اختیار کرلیں گے تو

(۱) میری یہ خستہ حالی جو خوش رنگ شراب عشق الٰہی کی بنا پر وہ بہت بہتر ہے بغیر مال ودولت کے اللہ نے قارون سے بھی بڑا مرتبہ عطا کیا ہے (۲) لیلیٰ کے حصول کے راستہ میں جان کا بھی خطرہ اس راہ پر گامزن ہونے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مجنون جیسا جنون پیدا کرو۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امراء خود آپ کے دروازوں پر آویں گے خدا کے واسطے اس عادت کو چھوڑ دو خدا جانے آپ کے اس طریق نے تباہ کردیا ہے دین کو خدا کے لئے ہاتھ کھینچو اور دیکھو حق تعالیٰ قرآن کریم میں کیا ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یہ آپ کا کام نہیں کہ امراء اور رؤسا کے دروازہ پر جا کر بھیک مانگو گو دین ہی کے لئے ہو یہ کام امراء کے ذمہ ہے کہ وہ آپ کی خدمت کریں خواہ اپنے پاس سے یا چندہ جمع کر کے آپ تو حق تعالیٰ پر توکل کر کے اپنے کام میں لگے رہیئے جو دوسروں کا کام ہے وہ آپ اپنے ذمہ نہ رکھئے ؎

کار خود کن کار بیگانہ مکن (۱)

فی زمانہ چندہ مانگنے کا نقصان

اگر آپ کہیں کہ ہم اپنے نفس کے لئے نہیں مانگتے ہم تو خدا کے واسطے مانگتے ہیں، صاحبو آپ نے غور نہیں فرمایا اپنے لئے مانگنا اس زمانہ میں اتنا بُرا نہیں جس قدر کہ دینی کاموں کے لئے سوال کرنا ہے اس لئے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اخلاص مفقود (۲) ہے دین کی محبت عنقا (۳) ہے دنیا کی محبت قلوب میں جگہ پکڑے ہوئے ہیں یہ سمجھنے والے بہت کم ہیں کہ یہ دین کی خدمت کے لئے سوال کرتے ہیں اور ان کی خطاء بھی نہیں اس لئے کہ بہت سے مکّار مولوی دین کے پردہ میں دنیا کمانے لگے ہیں اس لئے اس وقت مانگنے سے سخت ذلت ہوتی ہے اور بجائے اس کے کہ علم دین کی عظمت اور وقعت ہو اس کی ذلت ہوتی ہے پس اپنے نفس کے لئے مانگنے سے تو اپنی ہی ذلت ہوتی ہے اور خدا کے واسطے مانگنے سے دین کی سب

(۱) اپنا کام کرو دوسرے کا کام نہ کرو (۲) ناپید (۳) نایاب۔

کی ذلت اس وقت قریب قریب لازم سی ہوگئی ہے۔ اس لئے آپ ہرگز کسی کے دروازہ پر نہ جائیں امراء خود آپ کے پاس آویں گے اس لئے کہ وہ آپ کے محتاج ہیں آپ اُن کے محتاج نہیں ہیں اس لئے کہ آپ کے پاس دین ہے جو امراء کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں اور ان کو اس کی حاجت ہے اور گو ان کے پاس دنیا ہے مگر وہ بقدر ضرورت آپ کو بھی ملتی ہے اس لئے آپ ان کے محتاج نہیں وہ آپ کے محتاج ہیں آپ اپنی حاجت غنی مطلق سے رکھیئے واللّٰہ الغنی وانتم الفقراء (۱) اگر آپ گوشوں میں بیٹھ جاویں گے تو امراء خود آپ کو دنیا پیش کریں گے اور اصرار کریں گے اور آپ انکار کرینگے۔

چندہ دیکر دعا کی درخواست نہ کرو

آپ اس کو سن کر متعجب نہ ہوں اس کے نمونے بہت اب بھی موجود ہیں اگرچہ مجھے اپنی زبان سے تو کہنا زیبا نہیں مگر کیا کروں نمونہ کے طور پر عرض کرتا ہوں ایک شخص نے ہمارے مدرسہ میں ابھی پانچ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجے اور ساتھ میں یہ بھی لکھ دیا کہ طلبہ سے میرے واسطے دعا کرادو میں نے منی آرڈر واپس کردیا اور یہ لکھدیا کہ ہمارے یہاں دعاؤں کی دوکان نہیں کہ دعائیں بکتی ہوں اور واقعی ہے بھی یہی بات اگر طلبہ کی خدمت کرنا ہے تو خلوص کے ساتھ کرنا چاہیئے روپیہ بھیج کر دعا کی درخواست چہ معنی، دیکھئے اللہ تعالیٰ صحابہؓ کی مدح فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ یعنی وہ لوگ ایسے مخلص ہیں کہ مساکین کو کھانا کھلا کر یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تم کو بس اللہ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ کسی قسم کی جزاء کے طالب ہیں اور نہ شکریہ کے اور

(۱) اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج۔

دعا کرانا بھی جزاء میں داخل ہے اس کی طلب بھی نہ ہونا چاہیئے۔

چندہ دہندہ شکریہ ادا کرے

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو آج کل دستور ہے کہ کوئی کسی دینی کام میں کچھ پیش کرتا ہے اور اس دینی کام کا رکن اس کا شکریہ تقریراً یا تحریراً ادا کرتے ہیں یہ بھی نہ ہونا چاہیئے۔ مجھ کو تو اس شکریہ سے بہت غیرت آتی ہے اس دینے والے کو ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اس لئے کہ ہم نے اس پر احسان کیا کہ اپنا کام چھوڑ کر اس کے کام میں وقت خرچ کیا کہ اس کی رقم کو نیک کام میں صرف کردیا نہ کہ اس کا شکریہ ہم ادا کریں ہم پر اس نے کیا احسان کیا ہے اگر کوئی سو روپیہ دیکر شکریہ کا طالب ہو تو پھینک دو اس کے سو روپیہ اور کہدو کہ رکھو اپنے گھر میں اسی طرح کسی کی خدمت کرکے اُس سے دعا کی بھی درخواست نہ کرو۔

علماء کا کام دعا کرنا ہے

باقی یہ دوسری بات ہے کہ ہم لوگ سب مسلمانوں کے لئے دعا گو ہیں وہ مستقل ہمارا کام ہے ہمارے ذمہ ہے کسی کے دینے لینے پر موقوف نہیں ہے ایک شخص نے حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت میرا ارادہ پٹوارگری کا امتحان دینے کا ہے اس کے لئے جارہا ہوں آپ دعا فرمادیجئے اگر آپ دعا کریں تو میں جاؤں ورنہ نہیں فرمایا کہ میاں ہم تو دعا ہی کے واسطے ہیں اگر دعا بھی نہ کریں گے تو پھر ہم کس مصرف کے ہیں لیکن دوسروں کو یہ نہ چاہیئے کہ وہ اسلئے خدمت کریں کہ دعا کریں گے غرض میں نے وہ منی آرڈر واپس کردیا یہ خیال نہ کیجئے کہ مدرسہ کا پانچ روپیہ کا نقصان کیا، بات یہ ہے ۔

زرو نقرہ چیست نا مجنوں شوی　　چیست صورت تا چنیں مفتوں شوی(۱)

اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ منی آرڈر پھر آیا اور اس شخص نے لکھا کہ میں غلطی کا اقرار کرتا ہوں بیشک مجھ سے غلطی اور بے تہذیبی ہوئی کہ منی آرڈر بھیجنے کے ساتھ دعا کی درخواست کی خدا کے واسطے آپ منی آرڈر وصول کر لیجئے میں دعا وغیرہ کچھ نہیں چاہتا میں نے وہ وصول کر لیا اور لکھدیا کہ آپکے روپیہ مدرسہ میں صرف کئے جائینگے اور آپ کے لئے دعا بھی کرادی گئی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

شاید کوئی اس حکایت کو سن کر کہے کہ پانچ روپیہ ایک قلیل مقدار ہے اس لئے واپس کردیئے اگر رقم کثیر ہوتی تو واپس نہ کرتے اس اشتباہ کے دفع کرنے کے واسطے دوسرا واقعہ عرض کرتا ہوں کہ ابھی ایک صاحب نے دوسو روپیہ مدرسہ میں بھیجے اور یہ لکھا کہ میرا جی تمہارے لانے کو چاہتا ہے میں خود آکر تمہارے آنے کی تحریک کروں گا میں نے ان کو لکھدیا کہ اگر میرے بلانے کے متعلق آپ مضمون نہ لکھتے تو میں یہ روپیہ وصول کر لیتا اور اب اس مضمون کے ہونے سے مجھ کو آپ کے خلوص میں شبہ پڑ گیا کہ روپیہ بھیجنے سے شاید آپ کا مقصود یہ ہے کہ میں آنے کے متعلق آزادانہ جواب نہ دے سکوں روپیہ آنے سے اثر ہوا اس لئے یہ روپیہ ڈاکخانہ میں امانت رکھا ہے وصول نہیں کیا اور میں واپس ہی کر دیتا لیکن آپ کی دل آزاری کے خیال سے واپس نہیں کیا اگر اسکا جواب میرے مذاق کے موافق آیا تو رکھوں گا ورنہ واپس کردوں گا۔ حضرت ہم لوگوں کے تساہل (۲) سے یا طمع سے یا ہماری خوش اخلاقی سے ان بڑے لوگوں کے دماغ بگڑ گئے ہیں واللہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سو دوسو روپیہ دکھا کر ہم نے ان ملاؤں کو خرید لیا ہے اس کا جواب یہ آیا کہ بلانے کی تحریک سے

(۱) جب مجنون بن گئے ہو تو سونے چاندی سے تمہیں کیا غرض جو کسی پر عاشق ہو جائے اس کو دوسری صورتوں سے کیا غرض (۲) سہل انگاری۔

دست بردار ہوتا ہوں میں آپ کو نہیں بلاتا آپ یہ روپیہ قبول کر لیجئے میں نے ان کو لکھدیا کہ مجھے آپ کی اس تہذیب کے برتاؤ سے بہت مسرت ہوئی اور آپ سے اس قدر محبت ہوگئی کہ اب مجھے خود آپ سے ملنے کا اشتیاق ہوگیا ہے میں آؤں گا لیکن یہ عہد کر لیجئے کہ وہاں بلاکر مجھ کو کچھ دیا نہ جاوے چنانچہ وہاں جانا ہوا اور انہوں نے کچھ پیش کرنا چاہا میں نے کہا کہ میں آپ کا جی بُرا کرنا نہیں چاہتا لیکن میرے معمول کے خلاف ہے کہ کہیں جا کر کچھ لوں اگر تم کو دینا ہے تو وہاں آ کر دو یا بھیجدو چنانچہ ایک عرصہ کے بعد وہ آئے اور ہدیۃً کچھ دیا ان کے واقعہ سے ان کے خلوص کا امتحان ہوگیا۔

اخلاص کی کمی

بعضے ایسے بھی ہیں کہ بعد ایکبار کے عذر کے پھر وہ کروٹ بھی نہیں لیتے جس سے ان کے خلوص کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ محض رسم کے طور پر دیتے تھے تو مجھ کو تو تجربہ نے یہ دکھلا دیا کہ اکثر لوگوں کے اندر اس زمانہ میں خلوص بہت کم ہے کوئی دباؤ سے کچھ دیتا ہے کوئی اپنی جاہ کی حفاظت کے لئے کوئی رسم و رواج کی پابندی سے اس لئے میں اس باب خاص میں ذرا زیادہ احتیاط رکھتا ہوں۔

اہل علم کو مشورہ

اور سب اہل علم کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس مادہ خاص میں ذرا کشیدگی اختیار کریں اور وہ بات دل میں پیدا کریں کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہو تو تمہارے سامنے گرد ہو اس لئے کہ ؎

آں راکس تراشناخت جاں راچہ کند　　فرزند وعزیز وخانماں راچہ کند (۱)

(۱) اے اللہ جس کو آپ کی معرفت حاصل ہوجائے اس کو اپنی جان اور اولاد مال کی بھی کوئی پروانہیں ہوتی۔

واللہ اگر حق تعالیٰ کی معرفت اور نسبت ہم کو نصیب ہو جاوے تو کیا چیز ہے روپیہ اور کیا چیز ہے جان مگر افسوس کہ ہمارا قلب اس دولت سے خالی ہے اس لئے بھٹکتا پھرتا ہے اور اگر یہ دولت ہوتی تو ہمارے سامنے کسی شے کی کوئی وقعت نہ ہوتی ۔

چو سلطان عزت علم برکشد　　جہاں سر بجیب عدم در کشد
اگر آفتاب ست یک ذرّہ نیست　　وگر ہفتہ دریاست یک قطرہ نیست

اگر ہمارے اندر یہ دولت ہوتی تو ہم کو نہ کسی کی تعظیم اور مدح وثنا سے مسرت ہوتی اور نہ کسی سے خوف اور امید ہوتا اور یہ حالت ہوتی ۔

موحدچہ برپائے ریزی زرش　　چہ فولاد ہندی نہی برسرش
اُمید وہراسش نباشد زکس　　ہمیں ست بنیاد توحید و بس (۱)

اہل اللہ کا حال

اور نہ آپ کو مصائب سے پریشانی ہوتی اور نہ ہم کو دنیوی راحتوں سے فرح اور بطر ہوتا، اللہ کے بندوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان پر بلائیں آتی ہیں قسم قسم کی تکلیفیں ان کو پیش آتی ہے لیکن ان کے قلب میں ذرا پریشانی نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوجاتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی شے کی گنجائش نہیں ہوتی اسی کی نسبت ارشاد ہے ﴿ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی ہے اپنے پاس سے ایک روح کے ساتھ وہ روح وہ ہے کہ جو ان کو ہمیشہ ہمیشہ کو زندہ رکھتی ہے ۔

(۱) موحد کے قدم نہیں ڈگمگاتے چاہے اس کے سر پر تلوار رکھدی جائے توحید کی بنیاد یہ ہے کہ موحد کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے نا کسی کا خوف۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما(۱)

اور یہ وہ حیٰوۃ ہے کہ جس کی نسبت ارشاد ہے:﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾ واللہ یہ وہ عیش ہے جو سلاطین کو نصیب نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کو معیت نصیب ہوجاتی ہے حی قیوم کے ساتھ پھران کو کیوں۔ کیوں نہ حیات میسر ہوان کو تعلق ہوتا ہے محبوب و مطلوب حقیقی سے پھران کو کیون پریشانی ہو۔

عاشق حقیقی کا حال

دیکھو اگر کسی کا محبوب مدتوں سے نہ ملا ہو اور تڑپتے تڑپتے وہ مدتوں کے بعد ایک روز محبّ کے پاس آبیٹھے اور وہاں اتفاق سے بہت تیز دھوپ بھی ہو تو ان کو دھوپ سے الم تو ہوگا لیکن وہ اگر عاشق ہے تو وہاں سے اٹھنا ہرگز گوارا نہ کرے گا اور یہ چاہیگا کہ خواہ مجھ کو کتنی ہی تکلیف ہو لیکن خدا کرے اس سے جدائی نہ ہو اور یہ کہے گا ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ جنت ست آن گرچہ باشد قعر چاہ (۲)

اور اس کا یہ حال ہوگا ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتیٰ تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

پس کدامی شہر ازاں ہا خوشتر ست گفت آں شہرے کہ دردے دلبر ست (۳)

اور یہ کہے گا ؎

(۱) جس کا دل عشق الٰہی سے لبریز ہو وہ کبھی نہیں مرتا اس دنیا پر اس کی ہیشگی کو لکھ دیا گیا ہے (۲) ہر وہ جگہ جہاں یوسف ہو میرے لئے چودھویں کے چاند کی مانند ہے میرے لئے وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو (۳) ایک معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ اے جوان تو نے بہت سے شہر دیکھے ہیں مجھے بتا کہ ان میں کونسا شہر خوبصورت ہے کہنے لگا کہ وہ شہر جس میں میرا محبوب ہو۔

با تو دوزخ جنت ست اے جانفزا بے تو جنت دوزخ ست اے دلربا(۱)

یہ اثر ہے محبت کا کہ کسی چیز کا اثر اس کے قلب پر نہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور تمام بدن پر واقعات کا اثر ہوتا ہے مگر قلب اسکا محفوظ ہے اس لئے کہ وہ عرش اللہ بن گیا ہے اس پر کسی شے کا اثر کیسے ہوسکتا ہے غبار اور دھوئیں اور گرد کا اثر عرش تک کس طرح جاسکتا ہے ان کا قلب حصن حصین (۲) ہے نہ وہاں گولہ کا اثر ہے نہ توپ کا اس میں سوائے اللہ کے کوئی شے نہیں پس یہ آثار ہیں اس تیسری شے کے جو علم و عمل کے علاوہ ہے اس کو اپنے اندر پیدا کرو اور یہ کوئی اختراعی (۳) شے نہیں کہ کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو میں نے اسی کے اثبات کے لئے یہ آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔

تفسیر آیت

اب میں اس آیت سے اس کو ثابت کرتا ہوں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ الخ﴾ ترجمہ آیت یہ ہے کہ توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے بُرا کام کرتے ہیں پھر جلدی ہی توبہ کرلیتے ہیں پس یہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں یہ ترجمہ ہے اس آیت کا اہل علم کو معلوم ہے کہ نص کا مدلول چار طرح سے ثابت ہوتا ہے اول عبارۃ النص، دوم اشارۃ النص، سوم اقتضاء النص، چہارم دلالۃ النص (۴) اس آیت میں مدلول بعبارۃ النص تو اور مضمون ہے اور اس سے میرا مدعا ثابت نہیں میرا مدعا مدلول باشارۃ النص ہے۔

(۱) اے محبوب اگر تو ہمراہ ہو تو دوزخ بھی میرے لئے جنت ہے اور اگر تو نہ ہو تو جنت بھی میرے لئے دوزخ ہے
(۲) ان کا دل تو ایک مضبوط قلعہ کی طرح ہے (۳) من گھڑت چیز نہیں ہے (۴) قرآن و حدیث سے احکام چار طرح ثابت ہوتے ہیں الفاظ سے معلوم ہو صراحتا یا اشارۃ یا وہ الفاظ اس کے مقتضی ہوں یا اس معنی پر دلالت کرتے ہوں۔

عبارۃ النص کو اور اشارۃ النص کو اصطلاحاً تو اہل علم جانتے ہی ہیں لیکن عوام کے فہم کے لئے یہاں صرف ان دونوں کی حقیقت مختصراً بیان کرتا ہوں جس مضمون کے لئے متکلم نے کلام کو وارد کیا ہے وہ تو مدلول بعبارۃ النص ہے اور مدلول باشارۃ النص یہ ہے کہ اس کے لئے کلام کا سوق (۱) تو نہیں ہوا لیکن وہ مضمون نص کے الفظ ہی سے نکلتا ہے اب سمجھئے کہ عبارۃ النص کا مدلول تو یہاں صرف یہ ہے کہ قبول توبہ کی شرط بیان کرنا منظور ہے کہ قبول توبہ جب ہوگا کہ گناہ جہالت سے ہوجاوے اور فوراً توبہ کرلے اور اس سے دوسرا مضمون اشارۃً ایک اور معلوم ہوگیا گو اس کے لئے کلام وارد نہیں کیا گیا وہ یہ کہ صدور معصیت ہمیشہ جہالت سے ہوگا اور اسی سے میرا مدعا ثابت ہوگا اور یہ مضمون بھی صریح لفظوں سے مدلول آیت کا ہے مگر عبارۃ النص سے نہیں اس لئے کلام سوق نہیں ہے بلکہ اشارۃ النص سے ثابت ہے جو قطعیت میں عبارۃ کی برابر ہے باقی خود یہ مضمون کی صدور معصیت کا ہمیشہ جہالت سے ہوتا ہے اس کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ نص کے اندر جو یہ بجہالت کی قید ہے یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر قید احترازی لی جاویگی تو اسکا قائل ہونا پڑے گا کہ اگر کوئی جان کر گناہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہو حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ گناہ خواہ جان کر ہو یا انجان پن سے ہو توبہ کرنے سے معاف ہوجاتا ہے حتی کہ کفر اور شرک جو جانکر ہی کئے جاتے ہیں ان سے بھی توبہ ہو جاتی ہے پس یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں پس معنی یہ ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہالت سے ہوتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ جب گناہ ہمیشہ جہالت ہی سے ہوتا ہے تو اس کے بتلانے سے کیا فائدہ، فائدہ اس کے بتلانے میں یہ ہے کہ بغیر اس قید کے بتلائے علاج کی طرف تنبہ نہ ہوتا یہ قید گویا مادہ مرض ہے مرض کا اگر مادّہ نہ بتلایا جاوے

(۱) کلام لایا تو نہیں گیا۔

تو معالجہ کے اندر اشکال ہوتا ہے۔ مثلاً سوداویت (۱) کی وجہ سے مرض ہو اور اطلاع نہ کی جاوے تو ممکن ہے کہ بلغم کا مسہل (۲) پی لے اور بجائے نفع کے ضرر ہو اور اگر بتلا دیا جاویگا تو مریض سودا ہی کی دوا پی لیگا پس جہالت کی قید سے یہ بتلا دیا کہ گناہ ہمیشہ جہالت سے ناشی ہوتا ہے (۳) تا کہ معلوم ہو جاوے کہ جہل کا ازالہ گناہوں کا علاج ہے اب غور کرنا چاہیئے۔ کہ جہالت کے یہاں کیا معنی ہیں جو گناہ کے لئے لازم ہے سو قرآن مجید میں جہل کا لفظ بہت جگہ آیا ہے اور ہر جگہ ایک معنی نہیں اسی طرح علم کا لفظ بہت متعدد معانی میں آیا ہے اور علم و جہل میں تقابل ہے جس قدر علم کی اقسام نکلیں گی اسی قدر جہل کی بھی اور علم کی تعیین سے جہل کی بھی تعیین ہو جاویگی۔

اقسام علم و جہل

اس لئے میں علم کے اقسام بیان کئے دیتا ہوں۔ علم کے ایک معنی تو دانستن (۴) ہیں۔ جن کو سب جانتے ہیں اس کے مقابلہ میں جہل کے معنی نادانستن (۵) ہیں۔ دوسرے معنی علم کے عمل ہیں قرآن شریف میں اس معنی میں بھی علم کا استعمال آیا ہے چنانچہ علماء یہود کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ یعنی یہود جانتے ہیں کہ جو شخص سحر اختیار کرتا ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ان کے لئے ایک علم ثابت کیا ہے آگے ارشاد ہے: ﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی جس شے کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے وہ بُری شے ہے کاش وہ جانتے۔ یہاں علم کی ان سے نفی فرمائی ہے معلوم ہوا کہ اس علم سے مراد دوسری قسم ہے علم کی ورنہ اجتماع نقیضین لازم آوے گا اور وہ قسم ترک عمل ہے پس معلوم ہوا کہ علم کے دو معنی

(۱) ترش مزاجی (۲) بلغم نکالنے والی دواء پی لے (۳) جہالت کے سبب پیدا ہوتا ہے (۴) جاننے کے ہیں (۵) نہ جاننا۔

ہیں علم بمعنی دانستن اور عمل بالعلم پس جہل کے بھی دو معنی ہوئے اول نہ دانستن دوسرے عدم العمل اور معنی ثانی جہل کے دوسرے مقام پر بھی آئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ یہاں کفار کو جاہل فرمایا ہے یہاں جہل کے معنی نادانستن نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خوب جانتے تھے پس معلوم ہوا کہ ایھا الجاھلون۔ میں جہل سے مراد نادانستن نہیں بلکہ ترک عمل بالعلم ہے اور دیکھئے معجزات کی فرمائش کے بارے میں ارشاد ہے: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ یہاں بھی جہل کے مشہور معنی نہیں اس لئے کہ جہل بمعنی نادانستن تو مرتفع ہو چکا تھا اس لئے کہ حضور کو حکم تھا بلغ ما انزل اليك معلوم ہوا کہ یجھلون سے مراد لا یعلمون نہیں بلکہ لا یعملون ہے پس دو معنی تو علم اور جہل کے یہ تھے اب تیسرے معنی اور ہیں جس جگہ یہ دونوں معنی نہیں بن سکتے وہاں یہ تیسرے معنی مراد ہوتے ہیں اب میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں دونوں معنی نہیں بن سکتے اول معنی تو اس لئے نہیں ہو سکتے کہ اس سے لازم آوے گا کہ گناہ ہمیشہ نادانستگی سے ہوتا ہے حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے اس لئے گناہ بسا اوقات جان کر بھی ہوتا ہے اور دوسرے معنی یعنی عدم العمل اس لئے نہیں ہو سکتے کہ بجہالت قید یعملون السوء کی ہے پس اگر بجہالت کے معنی علم پر عمل نہ کرنے کے ہونگے تو مقید اور قید کا حاصل ایک ہی ہو جاوے گا اور یہ کلام قوۃ میں اس کے برابر ہوگا یعملون السوء عاملین السوء اور قرآن، پاک ہے اس سے کہ اس میں ایسا بے معنی کلام ہو پس جب جہل کے دونوں معنی نہیں بن سکتے فتعین الثالث متعین ہوگئے اب کوئی صاحب مہربانی فرما کر بتلائیں کہ وہ تیسرے معنی جہالت کے کیا ہیں جو اس آیت

میں مراد ہیں ورنہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ معنیٰ ثالث بجز غلبۃ الحال (۱) کے اور کچھ نہیں یعنی احکام شرعیہ کی محبت اور منہیات شرعیہ سے نفرت (۲) قلب میں رچ جائے اسی کا نام حال ہے اور اسی کو صوفیہ یقین بھی کہتے ہیں جس جگہ کتاب وسنت میں یقین کی تحصیل کا امر ہے اس سے یہی کیفیت مراد ہے پس جب گناہ صادر ہوگا اسی حال کے نہ ہونے سے ہوگا اور حال کے ہوتے ہوئے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا اور یہی میرا مدعا تھا کہ ہماری ساری خرابیاں حال کے نہ ہونے سے ہیں یہ تو مجملاً اس کا اثبات آیت سے ہوا۔

ارتکاب گناہ کے احوال

باقی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مومن کے اندر دو قوتیں رکھی ہوئی ہیں ایک قوۃ تو اس کو خیر پر حامل (۳) ہوتی ہے اور دوسری شر (۴) سے روکتی ہے اگر یہ دونوں قوتیں مغلوب ہیں اور کالعدم ہیں تو گناہ کا ہمیشہ صدور ہوگا اور اگر کسی وقت غالب ہیں اور کسی وقت مغلوب تو مغلوبیت کے وقت اس کیفیت مانعہ کا مشاہدہ نہیں ہوتا اس لئے اس وقت بھی گناہ اس سے صادر ہوگا اور غالبیت کے وقت صادر نہ ہوگا اور اگر قریب قریب ہے ہر وقت ان کا غلبہ ہے کسی وقت مغلوبیت نہیں ہوتی الا نادراً (۵) اسی کا نام حال ہے ایسے شخص سے گناہ کا ارتکاب نہ ہوگا دیکھئے ہر مسلمان جانتا ہے کہ زنا حرام ہے شراب پینا حرام ہے ترک صلوٰۃ حرام ہے مگر یہ علم بہت مسلمانوں کو گناہ سے نہیں روکتا تو اس کی کیا وجہ ہے وجہ یہی ہے کہ حال نہیں ہے۔

حال کا فائدہ ترک گناہ پر دوام

اور جو مغلوب الحال ہے وہ خدا کی نافرمانی نہ کرے گا پس معلوم ہوگیا کہ

(۱) سوائے غلبہ حال اور کچھ نہیں (۲) شریعت نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان سے محبت اور جن سے روکا ہے ان سے نفرت (۳) ابھارتی ہے (۴) برائی سے روکتی ہے (۵) مگر کبھی کبھی۔

دوام ترک معاصی عادۃً حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے اور ترک معاصی علی الدوام (۱) واجب ہے اور مقدمۃ الواجب واجب (۲) تو حال کی تحصیل ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

حدیث کے معنی

دیکھو حدیث شریف سے اس مضمون کی صاف تائید ہوتی ہے ارشاد ہے:

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن (۳) معتزلہ کو اس مقام پر لغزش ہوئی وہ حدیث سے کہتے ہیں کہ زنا اور دیگر کبائر سے ایمان نہیں رہتا حالانکہ نصوص قطعیہ شاہد ہیں کہ عصاۃ (۴) مومنین بھی مومن ہیں۔ چنانچہ بہت سی آیتوں میں ان کو یا ایھا الذین آمنوا سے خطاب ہے اس لئے اہل سنت کا عقیدہ ہے اور حق یہی ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے اس کے معنی اور کچھ ہیں محققین علماء ظاہر نے ان معنوں کو سمجھا اور صحیح سمجھا لیکن اس کی پوری شرح نہ کر سکے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مومن سے مراد اس حدیث میں مومن کامل ہے اور اس میں نفی ایمان کامل کی ہے۔ مطلق ایمان کی نہیں ہے یہ معنی نہایت لطیف اور بالکل صحیح ہیں لیکن ان حضرات نے یہ نہ بتلایا کہ وہ شے کونسی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے اس کا ایمان ناقص ہوا اور اس کے ہونے سے کامل ہو جاتا ہے کہ جو اس کو گناہ نہ کرنے دیتی۔

کمال ایمان کا ذریعہ حال ہے

صوفیہ کرام نے اس راز سربستہ (۵) کو کھولا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم

(۱) گناہوں کو ہمیشہ کے لئے ترک کرنا واجب ہے (۲) واجب کا مقدمہ بھی واجب ہے (۳) مؤمن ایمان کامل کے ہوتے ہوئے زنا نہیں کرتا اور چور ایمان کامل کے ہوتے ہوئے چوری نہیں کرسکتا (۴) گناہگار مسلمان (۵) اس راز سے پردہ اٹھایا۔

بتلاتے ہیں ہم سے سنو وہ شے حال ہے اس کے نہ ہونے سے ایمان میں نقصان رہتا ہے اور اسی کے نہ ہونے سے آدمی گناہ سے نہیں رکتا اور سوائے حال کے کوئی اور شے نہیں ہے جو گناہ سے روک سکے اور بدوں اس کے اعمال اور عبادات کرنا ایسا ہے جیسے بے انجن کی گاڑی ہوتی ہے کہ اس کو مزدور ٹھیلتے (۱) ہیں جب وہ ٹھیلتے رہیں چلتی رہتی ہے اور جب ٹھیلنا موقوف کردیں تو رُک جاتی ہے اسی طرح ہمارے روزہ نماز کی گاڑی ہے کہ ہم اپنی طبیعت پر جبر کرکے اس کو چلاتے ہیں اور بعض مرتبہ جب عاجز ہوجاتے ہیں تو رُک جاتی ہے اور اگر انجن کے اندر چنگاری ڈال کر اس کو گاڑیوں سے متصل کردیں پھر دیکھئے کہ وہ روکنے سے نہ رکیں گی وہ چنگاری کیا ہے حال بس وہ چنگاری ہمارے اندر نہیں ہے اگر وہ ہوتی تو اعمال شرعیہ ہم سے بے تکلف صادر ہوتے بلکہ بغیر عبادات کے ہم کو چین نہ آتا اس لئے کہ وہ آگ ہر وقت ہم کو حرکت دیتی اسی کی نسبت تو کہتے ہیں ۔

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی　　　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی (۲)

خالی بلا انجن کے گاڑی ٹھیلنا، راہ رسم و پارسائی ہے کہ بہت دور دراز ہے مدتوں میں نہایت مشقت کے بعد گاڑی اس راستہ سے منزل مقصود پر پہنچتی ہے اور راہ قلندر سے مراد راہ محبت وعشق ہے کہ جو انجن کے مشابہ ہے کہ منٹوں میں گاڑیوں کو سیکڑوں میل پہنچادیتا ہے اور بغیر اس کے تو ٹھیلنا ہے اور سیکڑوں عوائق وموانع (۳) کا مقابلہ کرنا ہے جیسے کہا گیا ہے ۔

بزمیں چو سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد　　　　کہ مرا خراب کردی تو زسجدۂ ریائی

بطواف کعبہ رفتم بجرم رہم ندادند　　　　تو بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی (۴)

(۱) دھکا دیتے ہیں (۲) اے محبوب مجھے تو قلندری کا راستہ پسند ہے رسم ورواج کی پابندی کا راستہ مجھے دور معلوم ہوتا ہے (۳) رکاوٹوں (۴) میں نے زمین پر جب سجدہ کیا تو وہاں سے آواز آئی تونے ریاء سجدہ کرکے مجھے بھی خراب کیا، کعبہ میں طواف کرنے لگا تو آواز آئی کہ باہر کیا کرتے رہے جواب خانہ کعبہ میں کرنے آئے ہو۔

حال کا مطلب ہے اعمال شرعیہ اعمال طبعیہ بن جائیں

یہی حال ہمارے روزہ نماز کا ہے جب تک کہ اعمال شرعیہ طبعی نہیں بنتے پورا خلوص ان میں نہیں آتا پس معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ زانی زنا نہیں کرتا جس حالت میں کہ اس کے اندر حال ہو یعنی مومن کامل ہو اور ایمان سے اس کو اس لئے تعبیر فرمایا کہ ایمان کہتے ہیں تصدیق کو اور تصدیق قسم ہے علم کی پس وھو مومن کے معنی یہ ہوئے وھو عالم اور علم کے وہی معنی ثالث مراد ہیں یعنی غلبہ حال اس لئے کہ دو معنی اول کے یہاں بھی نہیں ہو سکتے کما ہو ظاہر یہ تو قرآن مجید اور حدیث سے حال کی ضرورت کا اثبات تھا اور لیجئے حال وہ چیز ہے کہ جس کی شہادت دوسرے مذہب کے لوگوں نے بھی دی ہے اور کیوں نہ دیں اس لئے کہ ؎

الحق ما نطقت به الاعداء (۱)

ہرقل کا مکالمہ

ہرقل کا مکالمہ اہل مکہ سے جو صحیح بخاری میں آیا ہے اس میں اس نے حضور ﷺ کی نسبت بہت سی باتوں کا سوال کیا ہے منجملہ ان کے ایک سوال یہ بھی کیا تھا ھل یرتد احد منھم سخطة لدینه یعنی کیا کوئی محمد ﷺ کے متبعین میں سے ان کے دین سے ناراض ہو کر پھر جاتا ہے اس کا جواب کہا گیا کہ نہیں ایسا نہیں ہوتا تو ہرقل جواب میں کہتا ہے کذلك الایمان اذا خالطت بشاشة القلوب یعنی ایمان کی یہی حالت ہوتی ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے پھر ہرقل کے اس قول کو صحابہؓ نے اور علماء نے رد نہیں کیا یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ قول بالکل مسلم ہے اور بشاشت ایمان سے مراد یہی حال ہے دیکھئے ہرقل نصرانی ہے وہ کہتا ہے کہ جب

(۱) حق وہی ہے جو دشمن بھی قبول کرے۔

ایمان کی حلاوت قلب میں آجاتی ہے وہ جاتی نہیں لیکن یہ مرتبہ ہر حال کا نہیں ہے بلکہ حال کامل کا ہے جیسے تپ دق جب تیسرے درجہ میں پہنچ جاتی ہے پھر وہ ہرگز نہیں نکلتی اسی طرح حال راسخ زائل نہیں ہوتا شیطان اسی سے تو محروم تھا اس لئے مرتد وملعون ہوگیا غرض حال کی ضرورت قرآن سے ثابت حدیث سے ثابت اور غیر قوم یعنی ہرقل کی شہادت سے ثابت ہوئی۔

حال کا کمال

اب اس کے ساتھ ایک اور کمال اس دولت کے ساتھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر چند کہ تحقیق کے مرتبہ میں حال راسخ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صاحب حال کبھی اس سے راجع (۱) نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس شخص کو عبدیت اور تفویض اور تسلیم کی دولت بھی منجانب اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائی جاتی ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دولت اب مجھ کو مل گئی ہے جا نہیں سکتی بلکہ ہر وقت خائف اور ترسان ولرزان رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ مالک کی عطاء ہے جب چاہیں گے مجھ سے لے لیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا کمال علم ومعرفت

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا ایزنی العارف یعنی کیا عارف زنا کرتا ہے یہ سوال نہایت ٹیڑھا تھا اور مزال الاقدام (۲) ہے اگر ہم سے پوچھا جاتا تو ہم تو اس کے جواب سے عاجز ہوجاتے اس لئے کہ اگر اس کے جواب میں نعم کہا جاوے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ عارف عارف نہ رہے گا اور اگر لا کہا جاوے تو تسلیم و عبدیت کے خلاف اور قدرت کا مقابلہ ہے اگر کسی اہل ظاہر سے ایسا سوال کیا جاتا تو وہ تو تنگ ہوکر یہ کہہ دیتا ؎

---

(۱) پلٹتا نہیں (۲) قدم کو پھسلانے والا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ   باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش(۱)

اور صاف کہہ دیتا کہ جواب نہیں ہوسکتا لیکن جنید رحمۃ اللہ علیہ سید الطائفہ کیوں ہوتے اگر ایسے اشکالات کو نہ سلجھاتے پھر بھی یہ اشکال اس درجہ کا تھا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کے جواب میں تامل کرنا پڑا چنانچہ آیا ہے: فاطرق ملیا ثم رفع راسہ وقال و کان امر اللہ قدراً مقدوراً یعنی جنید نے بہت دیر تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا و کان امر اللہ قدراً مقدورا یعنی خدائے تعالیٰ جو تجویز کر چکا ہے وہ ہو کر رہتا ہے خدا تعالیٰ کے سامنے کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں فلاں گناہ نہیں کرسکتا سوائے تسلیم و رضا کے اس کے سامنے کوئی چارہ نہیں یہ ایسا عجیب جواب ہے کہ اس میں ہر پہلو کی رعایت ہے اور کچھ تعارض و تناقض بھی لازم نہیں آتا اس تحقیق کی بھی رعایت ہے کہ عارف سے زنا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے واسطے گناہ کو مقدر ہی نہیں فرماتا اور تسلیم ورضا وعبدیت کا پہلو بھی نہیں چھوڑا کما ہو ظاہر(۲) حضرت جنید کا اس جواب سے کمال علم اور معرفت ظاہر ہوتی اور یہی تو وہ شے ہے جس سے وہ شیخ الطائفہ ہوئے۔

مقام عارف

پس حقیقت یہی ہے کہ عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کو بعد ہوتا ہے مولانا رومی نے اس کی عجیب مثال لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے کوئی بالغ بعد بلوغ کے نابالغ نہیں ہوتا اسی طرح عارف بعد معرفت کے راجع نہیں ہوتا اور یہ مثال نہایت چسپاں اور مطابق ہے اس لئے کہ حقیقی بالغ عارف ہی ہے عارف کے سوا سب نابالغ ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

(۱) ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں پھینک دیا پھر کہتے ہو کہ دھیان کرنا کپڑے نہ بھیگ جائیں (۲) جیسا کہ ظاہر ہے۔

خلق اطفا لند جز مست خدا   نیست بالغ جزء ہیدہ از ہوا (۱)

خوب کہا ہے صوفیہ نے کہ اہل لُغت کے نزدیک تو بالغ وہ ہے جو منی (۲) والا ہو جاوے اور ہمارے نزدیک بالغ وہ جو منی (۳) سے نکل گیا ہے اول منی بمعنی ماء ہے اور دوسری منی بمعنی من شدن یعنی خودی ہے پس جیسے بالغ نابالغ نہیں ہوتا اسی طرح کامل وواصل راجع نہیں ہوتا اور مقبول ہوکر مردود نہیں ہوتا اور جیسے پھل جب پک جاتا ہے تو پھر وہ کچا نہیں ہوتا اور اس اخیر مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پکا پھل گو خام نہیں ہوتا مگر متغیر تو ہوسکتا ہے اسی طرح عارف سے کبھی کبھی لغزشیں ہوتی ہیں کبھی اجتہادی اور کبھی بمقتضائے بشریت مگر ان کی وہ غلطی کیسی ہے وہ غلطی ایسی ہے ۔

خون شہیداں راز آب اولٰی ترست   ایں خطا از صد صواب اولٰی ترست (۴)

اور ان غلطیوں پر ان کی گوشمالی بھی ہوتی ہے اور یہ گوشمالی سالکین ہی کو ہوتی ہے مجاذیب کو نہیں ہوتی لیکن ان غلطیوں کو ہم اپنی غلطیوں پر قیاس نہ کریں اس لئے کہ ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیرو شیر (۵)

جو ہماری عبادت ہے وہ ان کے لئے لغزش ہے اور جو ہماری لغزش ہے وہ ان کے لئے کفر کا حکم رکھتی ہے۔

بزرگوں کو تنبیہ

ایک بزرگ ایک جنگل میں رہا کرتے تھے ایک روز بارش ہوئی ان کے

---

(۱) ساری مخلوق مثل نابالغ ہے سوائے عارفین کے کوئی بھی بالغ ہوائے نفسانی کا شکار نہیں ہوتا (۲) جس کی منی خارج ہونے لگے (۳) کودی نکل گئی ہے (۴) شہیدوں کا خون تو پاک پانی سے بھی بہتر ہے ان کی یہ غلطی تمہاری بہت سی صحیح باتوں سے اعلیٰ وافضل ہے (۵) نیک لوگوں کے اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس نہ کرو اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔

منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ سبحان اللہ کیسے اچھے موقع پر بارش ہوئی ہے معاً ندا آئی کہ او بے ادب بتا بے موقع کس روز ہوئی تھی بادشاہوں کے سامنے بولنا سیکھ سنکر رنگ ہوا ہو گیا بدن پر لرزہ پڑ گیا۔ صاحبو! مدح کے لئے بھی سلیقہ چاہیئے مدح بھی ہر ایک نہیں کر سکتا۔

ایک اور بزرگ تھے وہ پاؤں پھیلا کر بیٹھے تھے ندا آئی او بے ادب بادشاہوں کے سامنے پاؤں پھیلایا کرتے ہیں حضرت تمام عمر گزر گئی کبھی پاؤں نہیں پھیلائے آپ سن کر سمجھتے ہونگے کہ بچارے بڑی تکلیف میں تھے۔ صاحبو! یہ شبہ اس لئے واقع ہوا کہ ہم نے ان بزرگ کو اپنے اوپر قیاس کیا وہ تکلیف میں نہیں تھے ان کو اس خطاب کی لذت نے ایسا بیخود بنادیا کہ ان کو اس حالت میں صدہا آرام سے بڑھ کر ذوق تھا من لم یذق لم یدر(۱)۔

لذت خطاب کا مزہ

ایک چسکہ اس خطاب کے لذت کا ہم کو بھی لگ چکا ہے چنانچہ ارشاد ہے:﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ﴾ یعنی ہم نے امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پس سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا امانت سے مراد احکام شرعیہ ہیں کہ اگر امتثال ان کا کیا جاوے تو مرحوم اور مغفور ہو اور اگر نافرمانی کی جاوے تو مغضوب اور مقہور ہو سب مخلوق اس سے ڈر گئی اس لئے کہ حق تعالیٰ کے غضب اور قہر کا کون متحمل ہوسکتا ہے حضرت انسان آگے بڑھ کر بولے کہ لائیے ہم اٹھالیں گے تو آپ نے غور بھی کیا

(۱) جس نے مزہ چکھا نہ ہو اس کو ذائقہ کا کیا پتہ۔

کہ انسان نے اس امانت کو کیوں اٹھایا اس کی وجہ اہل مشاہدہ سے پوچھو حافظ شیرازی فرماتے ہیں ۔

آسماں بار امانت نتوان ست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند(۱)

لفظ دیوانہ سے اشارہ فرمادیا کہ وجہ اس بار امانت کے اٹھانے کی مادہ عشق ہے جو انسان کی فطرت میں رکھا ہوا ہے جس وقت خطاب عرض امانت کا پہنچا تو سنکر عشق سے (۲) ایسا بے خود ہوا کہ آپے سے گزر گیا قوت فکر یہ گئی گزری (۳) ہوئی یہ نہ سوجھی کہ یہ بوجھ جو میں اُٹھا رہا ہوں اسکا انجام کیا ہوگا اگر احکام کا امتثال (۴) نہ ہوا تو عقاب و مواخذات (۵) بھی ہونگے اور گویا لسان حقیقت سے یہ کہا کہ ارے میاں جوتیاں لگیں گی تو لگنے دو اس بہانہ سے ان سے بات چیت کا تو موقع ملے گا پس آج یہ جو احکام شرعیہ کا بار اٹھا رہے ہیں یہ اسی عشق کا نتیجہ ہے پس اگر وہ عشق سابق جو اس جسد عنصری کے آثار سے کمزور ہو رہا ہے ظاہر کرا دے تو آپ پر یہ بار بار نہ رہے پس اسی واسطے اس خطاب کی لذت نے اُن بزرگ کو ساری عمر پاؤں سکوڑ لینا آسان کر دیا الحاصل ان حضرات کو ان گوشمالیوں میں لذت آتی ہے عارف شیرازی فرماتے ہیں ۔

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا(۶)

بد گفتن تو در کنار وہ گردن پر بھی راضی ہیں ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۷)

(۱) آسمان بار امانت یعنی وحی الٰہی (قرآن کریم) نے بوجھ کو نہ اٹھا سکا اس بوجھ کو اٹھانے کا قرعہ مجھے دیوانے کے نام نکلا (۲) عشق کے نشہ سے ایسا سرشار ہوا (۳) سوجھ بوجھ جاتی رہی (۴) احکام کی بجا آوری (۵) سزا اور مواخذہ بھی ہوگا (۶) تو مجھے برا بھلا کہتا ہے اللہ تیرا بھلا کرے تیری شیرین زبان سے مجھے یہ تلخ کلمات سننا بھی پسند ہے (۷) دشمن کے مقدر میں تمہاری تلوار سے ہلاک ہونا نہ ہو جبکہ دوست موجود ہیں تم اپنی تلوار ان پر آزماؤ۔

اور کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من　　دل فدائے یار دل رنجان من

اب بتلایئے کہ زندگی یہ ہے یا وہ زندگی ہے جو ہم جی رہے ہیں اگر وہ زندگی چاہیئے تو اس زندگی کو خیر باد کہیئے ؎

بمیر اے دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی

کہ ادریس از چنیں مردن بہشتی گشت پیش آزما

یہ ہے حیات اصلی اگر ایسی زندگی کی رغبت نہ ہو تو نہایت افسوس ہے کہ یہی ہے وہ زندگی جو حال کی بدولت نصیب ہوتی ہے یہ تو اس حیات کے دلائل تھے اگر دیکھنے کو جی چاہے تو آپ دیکھ سکتے ہیں آپ کے اندر موجود ہے ؎

ستم ست گر ہوست کشد کہ بسیر سروسمن درآ

تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

اہل اللہ کا عیش وسکون اور بادشاہت

اور جو آپ کو اس کی ہمت نہیں ہے کہ اپنے باغ کی سیر کرو تو کسی اور ہی کے باغ کو دیکھ لو ایسی مثالیں اب موجود ہیں ان کا نماز روزہ دیکھو اور اپنا دیکھو۔ ان کی خوشی اور غم دیکھو اور اپنا دیکھو۔ ان کا چلنا پھرنا ہنسنا بولنا دیکھو اور اپنا دیکھو اگر غور کر کے دیکھو گے تو انسان اور حیوان کا سا فرق نظر آوے گا اور بے اختیار صاف تم خود اس کی شہادت دو گے کہ بات تو یہ ہے کہ دنیا کا راحت اور آرام بھی ان ہی حضرات کا حصہ ہے اور زندگی اگر ہے تو یہ ہے واقعی ایسا عشق بادشاہوں کو بھی میسر نہیں اور اس عیش کے ہوتے ہوئے ان کو بادشاہت کی بھی پروا نہیں چنانچہ حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں مَلک سنجر نے لکھا کہ میں ملک نیمروز کا کچھ

حصہ حضور کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں حضرت نے جواب میں لکھا ؎

من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب

بزرگی کی پہچان

کوئی یہ نہ کہے کہ اب ایسے بزرگ کہاں ہیں صاحبو! ان حضرات کی جوتیاں اٹھانے والے اب بھی موجود ہیں ابھی گم نہیں ہوئے لیکن بات یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے معاصرین کی قدر نہیں ہوتی پہلے بزرگوں کے معاصرین بھی یہی کہا کرتے تھے آج ہم ان کو ہی بزرگ سمجھتے ہیں میں پوچھتا ہوں کہ وہ مرکر بزرگ ہوئے یا زندگی ہی میں تھے ظاہر ہے کہ مرکر کوئی بزرگ نہیں ہوا جو کچھ کسی کو ملتا ہے زندگی ہی میں ملتا ہے یہ انکار آپ لوگوں کو حسد کی وجہ سے ہے خدا کے لئے حسد چھوڑو اور بزرگوں کی برکات سے محروم نہ رہو اور میں سچے بزرگوں کی بہت آسان پہچان بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کی صحبت میں یہ اثر ہوتا ہے کہ تمہاری حالت بدلنا شروع ہوجاوے یہ ضروری نہیں ہے کہ معتقد ہوکر ہی ان کے پاس رہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اعتقاد نہ ہو تو بداعتقادی بھی نہ ہو خالی الذہن ہوکر رہنے سے بھی حالت بدلے گی اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسی معدن (۱) سے نکلے ہوئے ہیں اور یہ بھی اسی باغ کے پھول ہیں جب تم خود اپنے اندر اثر دیکھ لو گے تو خود ایمان لے آؤ گے اور بغیر پاس رہے دور دور سے کیا ہوسکتا ہے دیکھو بیر کے درخت میں جب قلم لگادیتے ہیں تو پیوندی بیر آنے لگتے ہیں تم بھی پیوند لگاؤ یعنی تعلق پیدا کرو دیکھو پھر کیا پھل لگتے ہیں وہ حالت ہوگی جیسے شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎

(۱) اسی کان۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلاویزے تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم (۱)

اور اگر پاس رہنے کی ہمت نہ ہو تو ان کے پاس رہنے والوں کی حالت سے ان کا اندازہ کرو دیکھو کہ انکے پاس رہنے والوں کی پہلے کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے اب اس سے زیادہ آسان بات کیا بتلاؤں۔

وصول الی اللہ حاصل کرنے کا طریقہ

پس جب تم کو ان علامات سے ایسے حضرات کا پتہ لگ جاوے تو اب سستی نہ کرو اپنے کو ان کی سپرد کردو اور طریقہ کے موافق کام کرو طریقہ یہ ہے کہ جو اس راہ کے موانع ہیں (۲) ان کو رفع کرو اور جو شرائط ہیں ان کو جمع کرو اس سے علت تامہ وصول الی اللہ اور مقبولیت کی متحقق ہو جاویگی یہی حاصل ہے علت تامہ کا بعض لوگ کچھ دنوں کام کرتے ہیں اور جب ثمرہ ظاہری ان کو نظر نہیں آتا تو چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کی وہی مثل ہے۔ الحائك اذا صلی یو مین انتظر الوحی (۳) دو چار مہینے ذکر شغل کر کے شکایت کیا کرتے ہیں کہ اجی ہم کو تو کچھ اثر نہیں ہوا

(۱) حمام میں محبوب کے ہاتھ ایک مٹی پر بڑے جس میں سے بہت عمدہ قسم کی خوشبو آرہی تھی اس نے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے اس نے جواب دیا کہ میں تو حقیر مٹی ہوں لیکن ایک عرصہ تک پھولوں کی صحبت میں رہی ہوں ان کی ہم نشینی سے میرا اندر اثر انداز ہوگئی جس کی بنا پر یہ خوشبو آرہی یہ ورنہ میں تو صرف ایک خاک ہوں
(۲) اس راہ کی رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرو (۳) جولاہا جب دو دن نماز پڑھ لیتا ہے تو خود کو اتنا نیک سمجھ لیتا ہے کہ وحی کے آنے کا انتظار شروع کر دیتا ہے کہ اب آئی کہ اب آئی۔

صاحبو جن کو کچھ ہوا ہے وہ یہ کہتے ہیں ۔

صوفی نشود صافی تا درنکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے(۱)

ان کو بھی مدتوں میں دولت ملے ہے لیکن یہ مدت کام کی جس میں کچھ اثر نہیں ہوا ہے اس کو بیکار نہ سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ اسی مدت کے کام کی بدولت ہے پس جن لوگوں پر جس منٹ میں فضل حق تعالیٰ کا متوجہ ہوا ہے اور ان کے قلب میں کچھ دولت آ گئی ہے وہ پہلے برسوں کو کہ جن میں کچھ اثر نہیں ہوا بیکار نہ جانیں وہ سب مدت حصول مطلوب کے لئے معد ہے(۲) اور شرط ہے اور رفتہ رفتہ جب علت تامہ بجمیع اجزاءہ مجتمع(۳) ہو جاتی ہے اور علت تامہ کا جزو اخیر کا تعلق ہو جاتا ہے تو مطلوب حاصل ہو جاتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ اسی منٹ میں حاصل ہوا ہے حالانکہ وہ تمام مدت اسی کے مدد و معاون ہے ایسی مثال ہے جیسے کوئی معجون کھانا شروع کرے تو اول اول کچھ نفع محسوس نہیں ہوتا اور رفتہ رفتہ وہ اپنا اثر پورا کرتا ہے تو اس وقت صحت اس پر مرتب ہوتی ہے۔

تحصیل حال کا طریقہ

اب میں مختصراً حال کی تحصیل کا طریقہ عرض کرتا ہوں وہ طریقہ چند اجزاء سے مرکب ہے اور اس کے چند شرائط ہیں اور چند موانع ہیں شرائط تو یہ ہیں کہ اول تو علم دین حاصل کرو خواہ مولوی بن کر یا علماء کی صحبت میں رہ کر اور مشغولین کے لئے تحصیل علم کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اردو پڑھے ہوئے ہیں علماء محققین سے اُردو کے رسائل سبقاً سبقاً پڑھ لیں اور جو ان پڑھ ہیں ان کو ایک وقت مقرر

(۱) صوفی صحیح معنی میں اس وقت تک صوفی نہیں بنتا جب تک کہ خوب مجاہدے نہ کر لے پختہ کاری حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے (۲) تیاری ہے (۳) جب علت تامہ کے سارے اجزاء جمع ہو جاتے ہیں۔

کر کے سنایا کریں دوسرے یہ ہے کہ جو علم حاصل ہوتا جاوے اس پر عمل کرنا شروع کردو اور نماز روزہ اور تمام احکام شرعیہ کی پابندی نہایت اہتمام سے کرو۔

عبادات کی صورت بھی مقصود ہے

جہلائے صوفیہ کہتے ہیں کہ جب مقصود ہم کو حاصل ہوگیا تو ظاہری نماز روزہ کی ہم کو ضرورت نہیں اس لئے کہ یہ تو نماز روزہ کی صورت ہے اور جب ہم کو معنی حاصل ہوگئے تو صورت کی حاجت نہیں یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے کتاب و سنت سے اسکا بطلان واضح ہے یاد رکھو کہ جو نماز ہم پڑھتے ہیں گو صورت نماز ہے لیکن کوئی صورت اللہ تعالیٰ نے بے معنی نہیں پیدا کی کوئی بادام کی نوع بے مغز (۱) نہیں اور کہیں مغز بغیر پوست کے نہیں ہے اور کوئی رس بغر چھلکے کے نہیں پس نماز روزہ کی صورت بیکار نہیں ہے صورت کو بیکار کردینا اصل مقصود یعنی جان کو ضائع کرنا ہے اس لئے کہ جان کا بغیر صورت کے قیام نہیں ہے اور اگر جان ہی مقصود ہے تو جاڑے گرمی میں کپڑا کیوں پہنتے ہو اس لئے کہ اصل مقصود تو جان ہے اور اس کو سردی گرمی نہیں ستاتی افسوس ہے کہ تمام صورتیں ان کے نزدیک باقدر ہیں اور دین کی صورتیں بے قدر۔

صحبت اہل اللہ کی اہمیت

تیسری بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور اس واسطے کہ بدون اس کے ہزار عالم ہوجاؤ اور لاکھ مجاہدہ و ریاضت کرلو عادت اللہ یہی جاری ہے کہ بدون شیخ کے کچھ کام نہیں چلتا دیکھو اگر صرف کتابوں کا مطالعہ کافی ہوتا تو طب کی کتب دیکھ کر جس کا جی چاہتا علاج کرلیتا اور خواہ نعمت (۲) میں سے گلگوں (۳)

(۱) بادام کو کوئی قسم بغیر گری کے نہیں ہے (۲) کھانا پکانے کے طریقوں کی کتاب (۳) میٹھی چھلکیاں۔

کے پکانے کی ترکیب دیکھ کر جس کا جی چاہتا پکا لیتا حالانکہ اگر کوئی کتاب دیکھ کر علاج کرے یا ترکیب دیکھ کر گلگلے پکائے تو وہ ضرور غلطی کرے گا اس لئے کہ وہ آنچ کا اندازہ اور پانی کی مقدار اور علاج میں دقائق طب [۱] کی رعایت کہاں سے لاویگا وہ تو بغیر کسی کے پاس رہے حاصل نہیں ہوتے اور ہر فن کے اندر وہ خصوصیات اور دقائق وجدانی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ تحریر میں آہی نہیں سکتے اور بغیر ان کے کمال اور وہ فن حاصل نہیں ہوتا اور ایسی چیزیں بدون پاس رہے حاصل نہیں ہوتیں جیسے کسی کا شعر ہے ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید — لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید [۲]

پس کتابوں سے گو تم تصوف کے مسائل یاد کرلو لیکن جو بات شیخ کے پاس رہنے سے حاصل ہوتی ہے وہ کہاں سے لاؤ گے ایسے وقت تو کتابوں کو اٹھا کر رکھ دینا چاہیئے کوئی بزرگ فرماتے ہیں ؎

جملہ اوراق و کتب در نارکن — سینہ را از نور حق گلزار کن

آدابِ شیخ

پھر اگر ایسے شیخ کی صحبت ہو تو ادب کے ساتھ ہونا چاہیئے اس لئے کہ اس صحبت سے مراد وہ بیوی کی صحبت نہیں یہ صحبت اور ہے اور آداب مشائخ کا خلاصہ اس مثال سے سمجھو کہ اگر کوئی مریض کسی طبیب کے پاس جاوے تو اس کو چاہیئے کہ وہاں جا کر اپنے امراض اس سے بیان کرے وہ مریض بڑا احمق ہے کہ طبیب کے پاس جا کر دوسرے مریضوں کے امراض بیان کرے آجکل یہ بڑی آفت ہے کہ بزرگوں اور مشائخ کے یہاں جا کر لوگ اپنے امراض کا علاج تو پوچھتے نہیں ہاں

(۱) طبی بار کیوں (۲) اگر مصور اس محبوب کی تصویر بنانا چاہتا ہے تو میں اس بات پر حیران ہوں کہ اس کی ناز واداء کو تصویر میں کیسے ظاہر کریگا۔

دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی کرتے ہیں اور بعضے فضول قصے اور کہانیاں اور اخبار کی خبریں بیاں کیا کرتے بزرگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ مشائخ کے یہاں جاؤ تو کسی کا سلام بھی نہ لے جاؤ اہل ظاہر کو یہ سن کر وحشت ہوگی لیکن وحشت کی کوئی بات نہیں شریعت کا قاعدہ الاہم فالاہم (۱) اس لئے مہتم بالشان اپنے امراض کا معالجہ ہے اور یہ سلام پہنچانا اس میں مخل ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ شیخ محبوب کا وسیلہ اور ذریعہ ہونے کی وجہ سے محبوب ہے اور سلام پہنچانا اپنے محبوب کو غیر کی طرف متوجہ کرنا ہے کیا کوئی محبت گوارا کرسکتا ہے کہ اس کا محبوب اس کو چھوڑ کر غیر کی طرف مائل ہو ہرگز نہیں اور اگر اس کو یہ گوارا ہو تو وہ عاشق و مرید نہیں ان کی تو یہ شان ہوتی ہے ۔

باسایہ ترا نمی پسندم　　　　عشق است وہزار بدگمانی (۲)

اور سایہ تو درکنار جب عشق کمال کو پہنچتا ہے ان کو خود اپنے سے غیرت آنے لگتی ہے چنانچہ ایک عارف کہتے ہیں ۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم　　　　گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم (۳)

عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود　　　　کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے (۴)

کسی کو شاید خیال ہو کہ یہ تو نری شاعری ہے کسی کو اپنی آنکھ سے بھی غیرت ہوئی ہے صاحبو من لم یذق لم یدر (۵) ہوتی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو

---

(۱) جو بات اہم ہو اس کو سب پر مقدم کرے (۲) مجھے تیرے ساتھ تیرے سایہ کا ہونا بھی پسند نہیں کیونکہ عشق میں ہزار بدگمانیاں ہوتی ہیں (۳) مجھے اپنی آنکھ پر بھی غصہ آتا ہے کہ میں اس کے بغیر تیرا دیدار نہیں کرسکتا میرے اور تیرے درمیان وہ حائل ہے اسی طرح کان تیری بات کو بلا واسطہ سننے نہیں دیتا (۴) خدا کی قسم مجھے اپنی دونوں آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ یہ تیرے رخ۔۔۔ پر بلا واسطہ پڑتی ہیں (۵) جس نے چکھا نہ ہو وہ جان نہیں سکتا۔

کر کے دکھلا دیا بعض صحابہ سے پوچھا گیا کہ حضور کا حلیہ شریف کیسا تھا وہ فرماتے ہیں کہ دیکھا کس نے ہے خدا کی قسم ہے کہ دیکھنے کی ہمت اور جرأت نہیں ہوئی ؎

باوجودت زمن آواز نیاید کہ کنم (۱)

الحاصل صحبت میں شیخ کی رہے تو آداب کے ساتھ رہے اور اس کی اطاعت کرے اس کے قلب پر گرانی نہ ہونے دے حتی کہ اگر اس کو خدمت کرنا مثلاً پاؤں دبانا جوتیاں سیدھی کرنا ناگوار ہو تو نہ کرے۔

بزرگوں کے احوال

بزرگوں کا یکساں حال نہیں ہوتا کبھی ان کو خدمت کرنا پسند ہوتا ہے کبھی ناپسند ہوتا ہے حقیقت میں یہ لوگ شاہ ہیں گاہے بسلامی برنجند وگاہے بدشنامی خلقت (۲) دہند اللہ کا نام لینے سے ان حضرات میں وہ لطافت آجاتی ہے کہ امراء کے اندر بھی نہیں ہوتی کبھی ان کو سلام کا جواب دینا بھی بار ہوتا ہے اور کبھی تواضع کا غلبہ ہوتا ہے تو خدمت کرانا ناگوار ہوتا ہے اس لئے کہ وہ جس حالت میں ہوتے ہیں خدمت کرنے سے اس میں فرق آتا ہے اور وہ اس میں بال برابر کمی نہیں چاہتے ان کی وہ کیفیت ہوتی ہے ؎

بردلِ سالک ہزاراں غم بود گرز باغِ دل خلالے کم بود (۳)

پس اگر وہ پاؤں دبانے سے روکیں تو فوراً رُک جانا چاہیئے بعضے وجہ پوچھنا شروع کردیتے ہیں کہ حضرت اسمیں حرج کیا ہے اس جھک جھک سے ان کو راحت پہنچے تو خدمت کرو ورنہ نہ کرو اور اگر کہو کہ ہم کس طرح سمجھیں کہ ان کو اس

(۱) تیرے وجود کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی میں طاقت نہیں رکھتا (۲) کبھی تو سلام کرنے سے ناراض ہوجاتے ہیں اور کبھی برا کہنے پر بھی انعام سے نوازتے ہیں (۳) سالک کے باغ دل میں سے اگر ایک تنکا بھی کم ہوجائے تو اس پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

وقت راحت ملے گی اور اس وقت ناگواری ہوگی صاحبو یہ امور ایسے ہیں کہ پاس رہنے سے ذرا فہم ہو اور غور کرنے کی عادت ہو خود بخود سمجھ میں آجاتے ہیں غرض تم ان کے تابع ہو جاؤ اس کی کوشش نہ کرو کہ وہ تمہارے تابع ہو جائیں وہ لوگ مثل کعبہ کے ہیں تم کو چاہیئے کہ تم کعبہ کی طرف رُخ کرو یہ نہ چاہو کہ تم جس طرف ہو کعبہ غلام کی طرح اسی طرف ہو جائے وہ لوگ کعبہ حاجات ہیں وہ جس طرف ہوں تم کو بھی اُدھر ہی گھومنا چاہیئے۔

خدمت کا بے ہودہ انداز

بعضے لوگ ایسی خدمت کرتے ہیں کہ ان کو بجائے راحت کے اذیت ہوتی ہے (۱) ہمارے استاد حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد سے باہر کو جارہے تھے ہاتھ میں جوتے تھے ایک شخص نے جوتہ لینا چاہا مولوی صاحب کو ایسے امور سے بالطبع (۲) نفرت تھی نہ دیا۔ اُس بھلے مانس نے ایک ہاتھ سے مولوی صاحب کی کلائی پکڑی دوسرے ہاتھ سے جھٹکا مارکر جوتہ ہاتھ سے چھین لیا۔ یہ خدمت ایسی ہی ہے جیسے کسی نے ریچھ پالا تھا جب وہ سوتا تھا تو وہ ریچھ حفاظت کیا کرتا تھا اور مکھیاں اڑایا کرتا تھا ایک مرتبہ ایک مکھی اس کے اوپر بیٹھی اس نے اڑایا وہ اڑی نہیں جا کر ایک پتھر لایا اور اس زور سے کھینچ مارا کہ اس کا کام تمام ہوگیا ایسے ہی بے عقل کی خدمت بجائے راحت کے تکلیف دہ ہو جاتی ہے یہ آداب ہیں شیوخ کے یہ تو شرائط کا بیان تھا۔

موانع حال

اور موانع کا حاصل یہ ہے کہ دو کام کرو ایک تو معاصی خواہ صغائر ہوں یا کبائر (۳)

(۱) تکلیف (۲) طبعاً ناپسند تھیں (۳) گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔

سب کو چھوڑ دو اور اگر حقوق کچھ ذمہ پر ہوں تو ان کو ادا کر دو اور دوسرے یہ کہ بلا ضرورت ہو تو ملو اور جب ضرورت ختم ہو جائے تو فوراً الگ ہو جاؤ اور فضول کلام چھوڑ دو۔

تیسرا کام اپنا محاسبہ

اور تیسرا کام جو بہت ضروری ہے یہ کرو کہ شب و روز میں کم از کم ایک گھنٹہ الگ خلوت میں بیٹھ جایا کرو اس کے لئے عشاء کے بعد کا وقت بہتر ہے اس وقت اپنے نفس سے اپنے شب و روز کے کام کا محاسبہ کیا کرو اگر کوئی گناہ ہو تو اس سے توبہ کیا کرو اور آئندہ سے عزم رکھو کہ پھر نہ کریں گے یہ طریقہ ہے حال کی تحصیل کا۔

وصول الی اللہ کے طریق کا خلاصہ

خلاصہ طریقہ کا یہ ہوا کہ علم دین بقدر ضرورت خواہ مولوی بن کر خواہ اُردو کے رسائل سے خواہ صحبت علماء سے حاصل کرو دوسرے اس علم پر عمل شروع کر دو تیسرے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو، چوتھے یہ کہ معاصی چھوڑ دو۔ پانچویں قلت اختلاط اور قلت کلام۔ چھٹے تھوڑی دیر خلوت۔ اگر اس طریقہ پر آپ عمل شروع کر دیں تو آپ رجسٹری شدہ واصل الی الہ ہو جاویں اور یہ نہ کہو کہ ولی ہونا بہت مشکل ہے ہم کیسے ہو جائیں گے۔ صاحبو! نبوت ختم ہوئی ہے ولایت ختم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو انشاء اللہ حیات طیبہ نصیب ہو گی اور تمام صعوبتیں دینی و دنیوی آسان ہو جائیں گی۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ حال کی تحصیل بہت ضروری ہے خصوصاً اہل علم کو بہت ہی

ضروری ہے۔ اب مجھ کو جو کچھ بیان کرنا تھا میں ختم کر چکا ہوں اس مدرسہ کا نام مظاہر العلوم ہے اس لئے میں نے اس سے پہلے وعظ کا جس میں عمل کی ضرورت بیان کی تھی مظاہر الاعمال نام رکھا تھا اور اس بیان کو مظاہر الاحوال سے موسوم کرتا ہوں۔ ایک بات ضروری باقی ہے وہ یہ کہ تحصیل حال کی نسبت جو میں نے کوشش اورسعی کی ترغیب دی ہے(۱) چونکہ اس کوشش اور سعی کی توفیق بدون (۲)حق تعالیٰ کی مدد کے میسر نہیں ہوتی اور بدون توفیق حق کے سب سعی بیکار ہے اس لئے اس کے لئے دل سے دعا اور تضرع اورزاری(۳) جناب باری میں کرتے رہیں اور اس کو طریقہ مذکورہ کا جزو اعظم سمجھیں اس لئے کہ ؎

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق(۴)

اب میں اسی دعا پر ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کریں۔ فقط

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰه رب العالمين وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه وبارك وسلم (۵)

---

(۱) کیفیت حال کو حاصل کرنے اور اس کے لئے کوشش کرنے کی جو میں نے ترغیب دی ہے (۲) بغیر (۳) اللہ سے گڑگڑا کر دعاء کرتے رہیں (۴) اللہ کی عنایت اور بزرگوں کی توجہ کے بغیر فرشتہ صورت بھی بن جاؤ گے دل سیاہ ہی رہے گا (۵) الحمدللہ ۲۷ رجب ۱۴۳۶ھ وعظ پر حاشیہ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے سب احباب کو علم وعمل اور حال کی کیفیات سے سرفراز فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۶ مئی ۲۰۱۵ء